تدوین قرآن

مصنف

مولانا محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین
الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

المجمع الاسلامی
ملت نگر، مبارکپور، اعظم گڑھ، (یو۔پی) پن کوڈ: ۲۷۶۴۰۴

الاسلامی.نیٹ
www.AL ISLAMI.NET

باسمہ تعالیٰ

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ

بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے

تدوینِ قرآن

قرآن کے جمع و ترتیب کی تاریخ

اور

دوسرے اہم مباحث پر علمی و تحقیقی مقالہ

از

مولانا محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

و ناظم المجمع الاسلامی مبارک پور

ناشر المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۷

کتاب: تدوین قرآن

تصنیف: مولانا محمد احمد مصباحی

کمپوزنگ اشاعت ہفتم: فیضان رضا امجد مصباحی
مصباحی پبلی کیشن محمد آباد گوہنہ، مئو 8188818465

پروف ریڈنگ: مولانا عبدالباری مصباحی، مولانا محمد مقبول مصباحی
رفیقان المجمع الاسلامی
مولانا رضی اللہ مصباحی گورکھ پوری
درجۂ تحقیق فقہ جامعہ اشرفیہ

اشاعت اول: ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء اشاعت دوم: ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

اشاعت سوم: ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء اشاعت چہارم: ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

اشاعت پنجم: ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء اشاعت ششم: ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

اشاعت ہفتم: ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۴ء

صفحات: ۲۰۸ تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: المجمع الاسلامی

AL MAJMAUL ISLAMI
MILLAT NAGAR MUBARAK PUR AZAMGARH U.P. 276404

ملنے کے پتے:

(۱) المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ Mob.7007576367

(۲) مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد گوہنہ Mob.8188818465

(۳) الاسلامی.نیٹ www.alislami.net

فہرست تدوین قرآن

حرف آغاز ۵
یادداشت ۱۰
نزول قرآن ۱۱
حکمت تنزیل ۱۴
حفاظت قرآن ۱۹
حفظ قرآن کی اہمیت ۲۰
قرآن کے عدم تواتر کا الزام ۲۶
چند حفاظ صحابہ کے اَسما ۳۵
قرآن کی کتابت اور تدوین اول ۳۷
کاتبان بارگاہ رسالت ۴۲
کتابت وحی ۵۴
اشیاے کتابت ۵۷
عہد رسالت میں کتابۃً ترتیب قرآن کیوں نہ ہوئی؟ ۵۹
ترتیب نزول، ترتیب قراءت سے جدا کیوں؟ ۶۰
قرآن کی تدوین ثانی ۶۳
تدوین ثانی کے خصائص ۶۶
آخر براءت کی دو آیتیں ۶۹
کیا تدوین ثانی بدعت ہے؟ ۷۵
عہد عثمانی اور قرآن کی تدوین ثالث ۷۸
تدوین ثالث کے اسباب و محرکات ۸۶
تدوین ثالث کی کیفیت ۸۷
تعداد مصاحف ۹۱
آیت احزاب ۹۱

روایات ۹۸
احراق مصَاحف کی روایات ۱۰۲
جواز احراق ۱۰۴
حضرت علی مرتضیٰ کی تائید ۱۰۷
ترتیب آیات وسُوَر ۱۰۸
ترتیب آیات ۱۰۸
نصوص ۱۰۸
اجماع ۱۱۱
حضرت عثمان کا لقب جامع قرآن ۱۲۶
اعراب قرآن ۱۲۸
قرآن کی سورتوں، آیتوں اور کلمات وحروف کی تعداد ۱۳۰
فاتحۃ الکتاب ۱۳۲
معوذتین کی قرآنیت ۱۳۴
اقوال علما ۱۳۵
قول اوّل ۱۳۶
قول ثانی ۱۴۳
قول ثالث ۱۴۶
قول ثانی وثالث میں تطبیق ۱۴۷
قول اوّل پر تنقید ۱۵۱
روایات انکار کی تنقیح ۱۵۴
طریقۂ اول ۱۵۵
طریقۂ دوم ۱۵۸
دعاے خَلع ودُعاے حَفد ۱۶۰
ان دعاؤں کے لکھنے کا سبب ۱۶۲
اختلاف قراءت ۱۶۴

[۴]ائمۂ قراءت ۱۶۵
صحابہ ۱۶۵
تابعین ۱۶۵
قراءات سبعہ ۱۶۷
قراءات عشرہ ۱۶۸
(۱) نافع مدنی ۱۶۸
(۲) ابن کثیر مکی ۱۶۹
(۳) ابو عمرو بصری ۱۷۰
(۴) ابن عامر شامی ۱۷۱
(۵) امام عاصم کوفی ۱۷۳
(۶) امام حمزہ کوفی ۱۷۴
(۷) امام کسائی کوفی ۱۷۵
(۸) یعقوب حضرمی بصری ۱۷۶
(۹) ابو جعفر یزید بن القعقاع مدنی ۱۷۷
(۱۰) خلف بن ہشام بغدادی ۱۷۸
ارباب تصنیف ۱۷۸
نقشہ اختلاف قراءت (سورۃ النور پارہ ۱۸) ۱۷۹
فوائد اختلاف ۱۸۵
قراءت سبعہ پر اقتصار کیوں؟ ۱۸۸
قراءتوں کا معیار قبول ۱۹۱
اقسام قراءت ۱۹۲
شیعہ اور قرآن ۱۹۴
تنقید ۱۹۶
مآخذ ۲۰۵

حرف آغاز

بسم اللہ الرَّحمٰن الرَّحِیم
حامـــدًا و مُصـــــــــلّیًا

قرآن دین اسلام کا سرچشمہ، رشد وہدایت کا منبع، دعوت وارشاد کا مصدر، علم وعرفان کا خزانہ، اور اپنے بے شمار کمالات ومحاسن کے ساتھ پوری دنیاے باطل کے لیے چیلنج ہے۔

اسی لیے جہاں اہلِ اسلام نے قرآن اور علوم قرآن کی خدمت میں بے مثال کارنامے انجام دیے وہیں اعداے اسلام اور مخالفین قرآن نے بھی اس لافانی کتاب اورازلی نور ہدایت سے کسبِ فیض ورُشد کی بجاے اس کی تنقیص، اس پر بے جا اعتراضات، اوراس کے اندر بے محل شک آفرینی میں اپنی آخری صلاحیتیں صرف کردیں۔ مگر زمانۂ نزول سے لے کرآج تک اس طرح کی ہر کوشش ناکام ہی رہی اور مخالفین اسلام کے مفسدانہ خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے۔ نہ ہی آئندہ کبھی ہوسکتے ہیں۔اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ [1]

لیکن آپ ذراان کی جسارت تو دیکھیں کسی نے یہ الزام لگایا کہ قرآن وانجیل دونوں کا معاملہ اس لحاظ سے یکساں ہے کہ دونوں کو بعد کے لوگوں نے جمع کیا۔ قرآن بھی عہدِ رسالت میں یک جانہ ہوابلکہ عہد صدیقی میں اس کی تدوین ہوئی۔ کسی نے کہاقرآن عہدِ رسالت سے بتواتر منقول نہیں کیوں کہ زمانۂ رسالت میں کل چار حفاظ تھے جن سے تواتر نہیں ہوسکتا۔ کسی نے کہاعہد صدیقی میں ایک آیت قید تحریر میں نہ آئی اور عہد عثمانی

ا: حجر، س:۱۵، آیت:۹، پ:۱۴

https://alislami.net

میں لکھی گئی، اس لیے ممکن ہے کہ عہد عثمانی کی تدوین میں بھی کوئی آیت چھوٹ گئی ہو۔ کسی نے کہا قرآن سات لغات میں نازل ہوا تھا اب صرف ایک لغتِ قریش میں ہے لہٰذا اس کا اکثر حصہ معاذ اللہ ضائع ہو گیا یا ضائع کر دیا گیا۔ کسی نے کہا معوذتین کی قرآنیت اجماعی و قطعی نہیں۔ کسی نے کہا قرآن سے بعض سورتیں حذف کر دی گئی ہیں، بعض مختصر کر دی گئی ہیں، اس لیے اس کا تام و کامل ہونا یقینی نہیں جیسا کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ شیعہ اسے کامل و قطعی نہیں مانتا۔ کسی نے کہا مصاحف اُبی و علی و ابن مسعود کی ترتیبیں اور موجودہ قرآن میں اب بھی بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے کیوں کہ اس کی سات قراءتیں ہیں جن کے درمیان بہت سے الفاظ و حروف کا واضح فرق موجود ہے۔

مخالفین کو یہ اعتراضات آسانی سے نہیں مل گئے بلکہ یہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے انھوں نے پہلے پورے قرآن کا مطالعہ کیا، وہاں انھیں ناکامی ہوئی تو حدیث و تاریخ کی کتابیں دیکھیں، مشرقی علوم کھنگالے جب کہیں اُن کو اِدھر اُدھر سے کچھ شوشے گوشے ملے جن کو انھوں نے زبردست اعتراضات بنا کر پیش کیا اور زبان و قلم کی بھرپور طاقت کے ساتھ پھیلایا ـــــ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اہل باطل اپنے قرآن دشمن عزائم کی تکمیل سے کتنی لگن رکھتے ہیں اور اس مقدس کتاب کا لافانی اعتماد مجروح کرنے کی خاطر کتنی کوششیں صرف کر رہے ہیں۔

جب کوئی گمراہی زبان و قلم، دولت و حکومت اور پریس کی وسیع قوت کے ساتھ پھیلائی جائے تو اس کا سدِّباب ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہل باطل کے دیگر الزامات کی طرح قرآن پر بھی جب ان کا کوئی الزام عائد ہوا تو علماے اسلام نے اس کا دندان شکن جواب دیا یہاں تک کہ **احمد بن مصطفیٰ** طاش کبری زادہ (م ۹۶۴ھ) نے **مفتاح السعادہ** میں "علم دفع المطاعن عن القرآن" کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے شمار کرایا ہے۔

جب تدوین قرآن کے موضوع پر مجھے کام کرنا پڑا تو مذکورہ اعتراضات کے پیش

نظر (جن میں کچھ پرانے اور کچھ نئے ہیں) حفاظت قرآن اور علومِ قرآن سے متعلق علماے اسلام کی تحریر کردہ قدیم وجدید کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر بدقسمتی سے ان میں سے بیش تر کتابیں میری دست رس سے باہر رہیں نہ تو میرے پاس کوئی عظیم کتب خانہ ہے جس میں ہر قسم کی قدیم وجدید کتابوں کا معتدبہ ذخیرہ موجود ہو، نہ اتنا سرمایہ کہ ملک وبیرون ملک کی لائبریریوں میں جاکر خاطر خواہ استفادہ کرسکوں۔

اس لیے میں نے زیر نظر کتاب کی ترتیب میں زیادہ تر قرآن، تفسیر، حدیث، شروحِ حدیث اور دوسری کتابوں کو ماخذ بنایا جو اصل مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں خصوصاً علامہ **جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی** (م۹۱۱ھ) کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" سے بہت زیادہ مدد لی کیوں کہ یہ بہت سی قدیم تصنیفات کا نچوڑ، ہزارہا ہزار صفحات پر بکھری ہوئی نادر تحقیقات کا خلاصہ، اور بعد کے اکابر علما کا قابلِ اعتماد مرجع ہے۔

میں نے تقریباً ہر مقام پر اپنے ماخذ کا حوالہ دے دیا ہے اور قطعاً اس کی کوشش نہیں کی ہے کہ دوسرے کی تحقیق اپنی بناکر پیش کروں۔ البتہ میں نے جہاں کوئی اپنی راے یا تحقیق پیش کی ہے اُسے صاف لفظوں میں واضح کردیا ہے تاکہ بالفرض اگر کوئی غلطی ہو تو ناقدین کا ہدف ملامت خود بنوں نہ کہ اسلام کے مقدس علما۔

اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تدوین قرآن کے موضوع پر میں نے موجودہ دور کی چار پانچ اردو کتابیں بھی دیکھیں، دو تو بالاستیعاب پڑھیں، باقی صرف جستہ جستہ مقامات سے دیکھ سکا، اس میں شبہہ نہیں کہ طرز تحریر اور دل نشیں اسلوب کے اعتبار سے وہ کامیاب کتابیں ہیں۔ ان میں کچھ نئی معلومات بھی ہیں۔ بہت سی پرانی تحقیقات بھی، جن میں سے بعض اپنے انداز میں ڈھال کر اور اپنی بناکر بھی پیش کی گئی ہیں۔ مگر خاصی مقدار میں غلطیاں اور غلط فہمیاں بھی ہیں۔ جن سے اندازہ ہوا کہ یہ کتابیں یا تو پوری دیدہ وری اور چھان بین سے نہیں لکھی گئی ہیں یا پھر پہلے کسی ایک نے غلطی کی اور بعد والوں

نے اسی کی تقلید کرلی۔ اگر وہ کتابیں دورانِ تحریر میرے پیش نظر ہوتیں تواِس کتاب میں حسبِ موقع اُن پر تنقید بھی لکھتا جاتا، تاکہ ان کے مطالعہ سے جو غلط خیالات بعض ذہنوں میں ہوں وہ دور ہوسکیں، مگر افسوس کہ میں انھیں حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ پھر اصل مقصود اپنے موضوع کی تکمیل تھی گزشتہ کتابوں پر تنقید ایک ذیلی کام تھا جو ہوجاتا تو بہتر تھا، نہیں ہوا تو اس کے بغیر میرا موضوع تشنہ نہیں کہاجاسکتا۔ پھر استحضار وبصیرت، اور قوتِ موازنہ وفیصلہ رکھنے والے قارئین میری تنقید کے بغیر بھی مقامِ صِحَّت و سُقم کی تعیین کرسکتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب میں دو باتیں خاص طور سے ملحوظ رکھی ہیں:

(۱) ابتدائے نزول سے لے کر انتہائے تدوین تک کی پوری کیفیت کا ذکر اور تاریخ تدوین کا تفصیلی بیان۔ تائید ربانی کے تحت حفاظت قرآن اور تدوین قرآن کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کی مساعی جمیلہ اور ان کے عظیم حزم واحتیاط کا تذکرہ، تاکہ بآسانی اس بات کا راسخ یقین ہوسکے کہ بلا شبہہ قرآن کریم حذف و اضافہ اور تغیر وتبدل سے محفوظ، شکوک وشبہات سے بالاتر، اوراپنی پوری ترتیب کے ساتھ بالکل قطعی ویقینی ہے۔

(۲) مخالفین اسلام کے الزامات کا پوری متانت وسنجیدگی کے ساتھ تحقیقی جواب ——— جواب کے لیے میں نے کوئی باضابطہ سرخی یاخاص اُسلوب اختیار نہیں کیاہے بلکہ اُسے قارئین کے فہم پر چھوڑ رکھاہے۔ وہ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس کتاب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کا تحقیقی جواب دے دیاگیاہے۔

ان ہی دو باتوں کے ذیل میں بہت سے علمی و تاریخی افادات کو بھی جگہ دی گئی ہے، اشاعتِ علم تواپنا خاص مشن ہی ہے۔ میں اپنے مقصد اور موضوع کی تکمیل میں کہاں تک کامیاب رہا؟ اگرچہ مجھے یک گونہ اطمینان ہے مگراس کا فیصلہ بالغ نظر، حق گو،

انصاف پسند اور کشادہ دل ناقدین کے ہاتھوں ہے۔

میں اپنی اِس قلمی کاوش میں خاص طور سے اپنے احباب گرامی مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا افتخار احمد قادری، اور مولانا یٰسین اختر اعظمی ارکان المجمع الاسلامی کا شکر گزار ہوں جن کی تحریک، اصرار، اور تعاون سے یہ کتاب منظر عام پر آئی، اُن اساتذہ اور والدین کا بھی جن کا احسانِ تعلیم و تربیت میری ہر دینی و علمی خدمت کا سنگِ بنیاد ہے، اُن اشخاص اور کتب خانوں کا بھی، جن کے ذریعہ مجھے کوئی کتاب حاصل ہوئی، اُن رفقا اور طلبہ کا بھی جو اس کتاب کی نقل و تبییض، تصحیح، طباعت، اشاعت وغیرہ بہت سے کاموں میں میرے معاون و مددگار ہوئے۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے اور ہر ایک کو میری نظر میں کوئی خصوصیت حاصل ہے قلتِ صفحات کے باعث ان کے نام شامل نہ ہوسکے۔ اور در حقیقت ان کے اخلاصِ عمل کا جو اجر خداوند کریم کے یہاں ہے وہ میرے ذکر و شکر سے کہیں زیادہ عظیم و جلیل ہے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔ سب کو اپنے بے پایاں فضل و کرم سے نوازے اور حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔ وافضل الصلوٰۃ واکرم التحیۃ علی حبیبہ خیر البریۃ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وشہداء محبتہ اولی الفضل والفیض والنفوس الزکیۃ والخصائل النقیۃ۔

فیض العلوم

۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ — محمد احمد مصباحی

۲۱/ مارچ ۱۹۸۰ء جمعہ — المجمع الاسلامی۔ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، ہند

یادداشت

دوران مطالعہ ضرورتاً اشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ کرلیں، وقت ضرورت آسانی ہوگی۔

بسم اللہ الرَّحمٰن الرَّحِیم
حامدًا وّ مُصلّیًا و مسلّما

نزول قرآن

جمہور مفسرین اور تمام ارباب تحقیق اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن کریم ماہ رمضان اور شب قدر میں یک بارگی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا، اسی کی تائید قرآن مجید اور صریح و صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ قرآن خود بیان فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (۱)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۲)

بلاشبہ ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا۔

مسند امام احمد اور شعب الایمان للبیہقی میں واثلہ بن اسقع سے روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انزلت التوراۃ لست مضین من رمضان، والانجیل لثلاث عشرۃ خلت منہ، والزبور لثمانی عشرۃ خلت منہ، والقرآن لاربع وعشرین خلت من شہر رمضان۔ (۳)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: توریت کا نزول ۶ر رمضان کو، اور انجیل کا ۱۳ر رمضان کو، اور زبور کا ۱۸ر کو اور قرآن کا ۲۴ر رمضان کو ہوا۔ (یہ بھی ترجمہ ہوسکتا ہے کہ

۱: البقرہ، س:۲، آیت:۱۸۵

۲: قدر، پارہ:۳۰، س:۹۷

۳: فتح الباری لابن حجر العسقلانی، ج:۹، ص:۳

https://alislami.net

۲۴ر گزر کر پچیسویں شب کو نزول قرآن ہوا۔)

ابو عبداللہ حاکم، مستدرک میں بطریق منصور عن سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں:

انزل القراٰن جملة واحدة فی لیلة القدر الی السماء الدنیا وکان بموقع النجوم وکان اللّٰہ ینزله علی رسول اللّٰہ ﷺ بعضه فی اثر بعض۔[1]

شب قدر میں قرآن کریم یک بارگی آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا اور ستاروں کے غروب کی جگہ رہا، پھر اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یکے بعد دیگرے تھوڑا تھوڑا نازل فرماتا رہا۔

یہ حدیث امام بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔[2]

حضرت ابن عباس ہی سے بطریق داؤد ابن ہند، عکرمہ راوی ہیں:

قال انزل القرآن جملة واحدة الی السمآء الدنیا فی لیلة القدر ثم انزل بعد ذالك بعشرین سنة۔[3]

فرمایا قرآن یک بارگی شب قدر میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا پھر اس کے بعد بیس برس تک نازل ہوتا رہا۔[4]

۱: مستدرک حاکم، ج:۲، ص:۲۲۲

۲: اتقان، ص:۳۹، ج:۱

۳: مستدرک ج:۲، ص:۲۲۲، نسائی، بیہقی کما فی الفتح ج:۹، ص:۳، والاتقان ج:۱، ص:۴۰

۴: رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کی ابتدا چالیس سال کی عمر میں ہوئی اس کے ساتھ جب اس حدیث کو ملالیں کہ بعد بعثت بیس سال رہے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بھی ہے: لبث النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بمکة عشر سنین، ینزل علیه القرآن وبالمدینة عشر سنین تو عمر شریف کل ساٹھ برس ہوتی ہے۔ مگر دوسری روایات سے

ایک دوسری روایت میں ہے:

عن سعیدبن جبیر عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال فصل القراٰن من الذکر فوضع فی بیت العزۃ فی السماء الدنیا، فجعل جبریل ینزلہ علی النبی ﷺ ویرتلہ ترتیلا۔[1]

سعید ابن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔ انھوں نے فرمایا قرآن ذکر سے جدا کرکے آسمان دنیا میں "بیت عزت" کے اندر رکھا رہا۔ پھر جبریل اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آتے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے رہے۔

ان تمام حدیثوں کی سندیں صحیح ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

وھٰذا کلہ مطابق لقولہ تعالیٰ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ولقولہ تعالیٰ: انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ فیحتمل ان تکون لیلۃ القدر فی تلک السنۃ تلک اللیلۃ فانزل فیھا جملۃ الی سماء الدنیا۔[2]

یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ماہ رمضان جس میں قرآن اتارا گیا" اور اس کے فرمان "بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا" کے مطابق ہے۔ ہوسکتا ہے اس سال شب قدر وہی رات رہی ہو۔ تو اس میں پورا قرآن آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا۔

ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی عمر مقدس ۶۳/ سال ہوئی۔ لہٰذا تطبیق کے لیے یہ کہا جائے گا کہ راوی نے تیرہ کی بجائے دس بیان کیا اور کسر چھوڑ دی۔ اسی طرح بعض رواۃ نے صرف ۶۰/ بیان کیا اور کسر چھوڑ دی۔ کسر چھوڑنے کا قطعی فیصلہ اس لیے ہے کہ جن لوگوں نے ۶۰/ یا ۶۳/ سے زیادہ کی روایت کی ہے خود ان ہی لوگوں سے ۶۳/ کی روایت آئی ہے۔ اس لیے معتمد یہی ہے کہ عمر شریف ۶۳/ سال ہوئی، جن روایات میں کم کا ذکر ہے ان میں کسر ترک کردی گئی جن میں زیادہ کا ذکر ہے ان میں مہینوں کی کسر پوری کرکے پورا سال شمار کرلیا گیا۔ (فتح الباری، ج:۹ص:۳)

۱: مستدرک ج:۲، ص:۲۲۳، ابن ابی شیبہ بحوالہ اتقان ج:۱، ص:۴۰ و فتح الباری ج:۹، ص:۳

۲: فتح الباری ج:۹، ص:۳

حکمت تنزیل[1]

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن لوح محفوظ سے یک بارگی رمضان کے مہینے، قدر کی رات میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا تیئیس سال کی مدت میں حضور ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ اس طریقۂ تنزیل کی حکمت خود قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے:

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾[2]

کافر بولے، ان پر قرآن ایک ساتھ کیوں نہ اترا، ہم نے یوں ہی بتدریج اُسے اتارا ہے تاکہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا، اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

دوسری آیت میں ہے:

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا[3]

اور قرآن ہم نے جدا جدا کرکے اتارا تاکہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا۔

حضرت عکرمہ سے حاکم، نسائی اور بیہقی کی جو روایت گزری اس کے آخر میں ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہ الفاظ مزید روایت کیے ہیں:

فکان المشرکون اذا احدثوا شیئا احدث اللّٰہ لھم جوابا۔[4]

۱: تنزیل: بار بار کرکے اتارنا۔ انزال: یک بارگی اتارنا

۲: فرقان، س:۲۵، آیت:۳۲، ۳۳، پ:۱۹

۳: بنی اسرائیل، س:۱۷، آیت:۱۰۶

۴: الاتقان، ج:۱، ص:۴۰

تو مشرکین جب کوئی نئی بات نکالتے اللہ تعالیٰ ان کا جواب ظاہر فرماتا۔

المرشد الوجیز فیما یتعلق بالقرآن العزیز میں ابوشامہ بیان فرماتے ہیں:

السِّرُّ فِي إِنْزَالِهِ جُمْلَةً إِلَى السَّمَاءِ تَفْخِيمُ أَمْرِهِ وَأَمْرِ مَنْ نَزَلَ عَلَيْهِ وذلك بإعلام سكان السموات السَّبْع أَنَّ هَذَا آخِرُ الْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى خَاتَمِ الرُّسُلِ لِأَشْرَفِ الْأُمَمِ قَدْ قَرَّبْنَاهُ إِلَيْهِمْ لِنُنَزِّلَهُ عَلَيْهِمْ وَلَوْلَا أَنَّ الْحِكْمَةَ الْإِلٰهِيَّةَ اقْتَضَتْ وُصُولَهُ إِلَيْهِمْ مُنَجَّمًا بِحَسَبِ الْوَقَائِعِ لَهَبَطَ بِهِ إِلَى الْأَرْضِ جُمْلَةً كَسَائِرِ الْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ قَبْلَهُ وَلَكِنَّ اللَّهَ بَايَنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا فَجَعَلَ لَهُ الْأَمْرَيْنِ: إِنْزَالُهُ جُمْلَةً ثُمَّ إِنْزَالُهُ مُفَرَّقًا تَشْرِيفًا لِلْمُنَزَّلِ عَلَيْهِ.[1]

”اسے یک بارگی آسمان کی طرف نازل فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ قرآن اور اس ذات کی عظمت کا اظہار ہو جس پر قرآن نازل ہوا۔ وہ اس طرح کہ ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا جائے کہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر پر سب سے بہتر امت کے لیے نازل ہونے والی ہے۔ ہم نے اسے ان کے قریب کر دیا ہے تاکہ ان پر اسے بتدریج نازل فرمائیں — اور اگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ نہ ہوتا کہ بلحاظ واقعات و حوادث تھوڑی تھوڑی ان تک پہنچے تو اس سے پہلے نازل شدہ دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی یک بارگی اتاری جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آخری کتاب اور دوسری آسمانی کتابوں کا معاملہ جدا رکھا، اسے دونوں طرز بخشے۔ یک بارگی نزول پھر جدا جدا نزول۔ تاکہ اس ذات کا شرف ظاہر ہو جس پر اس کا نزول ہوا۔“

مزید فرماتے ہیں:

۱: الاتقان، ج:۱، ص:۴۰۔ النوع السادس عشر: فی کیفیۃ انزالہ

https://alislami.net

فَإِنَّ الْوَحْيَ إِذَا كَانَ يَتَجَدَّدُ فِي كُلِّ حَادِثَةٍ كَانَ أَقْوَى بِالْقَلْبِ وَأَشَدَّ عِنَايَةً بِالْمُرْسَلِ إِلَيْهِ وَيَسْتَلْزِمُ ذَلِكَ كَثْرَةَ نُزُولِ الْمَلَكِ إِلَيْهِ وَتَجَدُّدَ الْعَهْدِ بِهِ وَبِمَا مَعَهُ مِنَ الرِّسَالَةِ الْوَارِدَةِ مِنْ ذَلِكَ الْجَنَابِ الْعَزِيزِ فَيَحْدُثُ لَهُ مِنَ السُّرُورِ مَا تَقْصُرُ عَنْهُ الْعِبَارَةُ وَلِهَذَا كَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ لِكَثْرَةِ لُقِيَاهُ جِبْرِيلَ. (ایضا)

"کیوں کہ ہر واقعہ میں جب وحی کا تازہ نزول ہوتا رہے گا تو قلب مبارک کی زیادہ تقویت کا سبب اور مہبط وحی علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات گرامی کے ساتھ ربانی عنایت واہتمام مزید کا ظہور ہوگا، جس کے نتیجے میں لازمی طور پر ان کے پاس فرشتے کا نزول زیادہ ہوگا اور اس کے ساتھ ان کا تعلق تازہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح اس پیغام کے ساتھ بھی، جو بارگاہ عزیز سے آرہا ہے پھر اس سے وہ کیف وسرور پیدا ہوگا جس کے بیان سے عبارت قاصر ہے، جبھی تو جناب رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کی شانِ سخاوت دیگر ایام سے زیادہ نمایاں رمضان میں ہوتی، کیوں کہ فرشتۂ یزدانی جبریل امین سے ملاقات زیادہ ہوتی۔"

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں چند حکمتیں تھیں:

[۱] مہبط وحی ﷺ کے قلب مبارک کی تسکین وتقویت کا سبب ہو اور کفار ومشرکین کی اذیتوں کے مقابلہ میں لطف کریم سے تسلی ملتی رہے اور انھیں ہر اذیت پر خدا کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی رہے۔

(الف) کبھی یوں کہ بار رسالت اٹھانے والوں کو ہمیشہ ان سختیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، انھوں نے صبر سے کام لیا، تم بھی صبر سے کام لو۔

وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا[1]

۱: انعام، س:۶، آیت:۳۴، پ:۷

اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے صبر کیا اس جھٹلانے پر۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (۱)

تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (۲)

اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبر سناتے ہیں جس سے تمھارا دل ٹھہرائیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (۳)

اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو بے شک تم ہماری نگاہ داشت میں ہو۔

(ب) کبھی یوں کہ رسولوں کو ہمیشہ فتح و نصرت ملتی رہی تمہیں بھی غلبہ اور فتح ہی حاصل ہوگی۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ (۱۷۱) إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (۱۷۲) وَ إِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۱۷۳) (۴)

اور بے شک ہمارا کلام گزر چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے، کہ بے شک ان ہی کی مدد ہوگی، اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آئے گا۔

(ج) کبھی یوں کہ پہلے ہی بتادیا جاتا کہ تمھارے اعدا کو شکست ہوگی، وہ خائب وخاسر ہوں گے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (۱)

۱: احقاف، س:۴۶، آیت:۳۵، پ:۲۶

۲: ھود، س:۱۱، آیت:۱۲۰، پ:۱۲

۳: طور، س:۵۲، آیت:۴۸، پ:۲۷

۴: صٰٓفّٰت، س:۳۷، آیت:۱۷۱ تا ۱۷۳، پ:۲۳

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور وہ پیٹھیں پھیر دیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ(۲)

فرمادو کافروں سے کوئی دم جاتا ہے کہ تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت ہی بُرا بچھونا۔

[۲] بار بار نزول سے خدا کے اعزاز اور عنایات کا ظہور ہوتا رہے۔ وصولِ آیات اور فرشتۂ یزدانی کی ملاقات سے بے پایاں مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔

[۳] مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا رہے۔

[۴] واقعات و حوادث کے مطابق نزول اور ان پر تنبیہ ہوتی رہے۔

[۵] احکام شرعیہ کا نفاذ بتدریج ہو، تاکہ امت پر گراں نہ ہو۔

[۶] قرآن کا حفظ، قرآن کا فہم و اخذ امت پر سہل ہو۔

[۷] اس بات کی رہنمائی بار بار ہوتی رہے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ہے جس کی طرف سے تنزیل ہوا کرتی ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ(۳)

اُتارا ہوا ہے حکمت والے ستودہ صفات کا۔

۱: قمر، س:۵۴، آیت:۴۵، پ:۲۷

۲: آل عمران، س:۳، آیت:۱۲، پ:۳

۳: حٰمٓ السجدہ، س:۴۱، آیت:۴۲، پ:۲۴

حفاظت قرآن

رسول اللہ ﷺ پر جو آیات اترتیں انھیں بڑے اہتمام سے خود یاد کرتے۔ پھر صحابہ کو سناتے۔ حفظ کی کوشش یہاں تک تھی کہ درمیان نزول، قراءت جبریل کے ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے کہ کہیں یاد ہونے سے رہ نہ جائیں۔ نزول قرآن کا باریوں ہی بے پناہ گراں:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (۱)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔

اس پر یہ مشقت اور ہی گراں، اس کریم ورحیم کو جسے محبوب کے احوال کا بڑا ہی لحاظ تھا یہ مشقتِ مزید گوارا نہ ہوئی۔ فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (۱۶) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (۱۷) (۲)

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

مگر یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس جمعِ ربانی کے تحت رسول اللہ ﷺ نے حفاظتِ قرآن کا وہ بے مثال انتظام فرمایا کہ عہد اکرم ہی میں قرآن کریم کے ضیاع اور تحریف وتبدیل کا خوف جاتا رہا۔ ایک طرف تو صحابۂ کرام کو حفظ قرآن کی ترغیب دی دوسری طرف عرب کی بے نظیر قوت حافظہ کے باوجود، کتابتِ قرآن کا اہتمام فرمایا یہی وہ دو اہم انتظام ہیں جنھیں باعتبار ظاہر حفاظت قرآن کی "اساس" قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱: حشر، س:۵۹، آیت:۲۱، پ۲۸

۲: قیامہ، س:۷۵، آیت:۱۶، ۱۷، پ:۲۹

حفظ قرآن کی اہمیت

اب یہاں ہم ایسی چند احادیث ذکر کریں گے جن سے اندازہ ہوگا کہ عہد رسالت میں حفظ قرآن کی اہمیت کیا تھی؟ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے ان سب اقدامات کے باوجود ممکن نہیں کہ صحابہ کی خیر وکمال میں جذبۂ سبقت ومسابقت رکھنے والی عظیم وکثیر جماعت میں پورے قرآن کے حافظ صرف چار رہے ہوں۔

(۱) سرکار نے قرآن سیکھنے، سکھانے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی، متعدّد صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ حضور نے انھیں کوئی سورہ یا آیت بڑے اہتمام سے سکھائی، اور یہ تو عام ارشاد تھا:

خیرکم من تعلم القرآن و علمه[۱]

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ حافظ قرآن کا درجہ بہت بلند اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ.[۲]

حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: قرآن کا ماہر، نیک

۱: مسند احمد، ص۸۸/بخاری، ص:۷۵۲/ابوداؤد ج۱، ص:۲۲۹ مصری/ترمذی ج:۲، ص:۱۱۵/ ابن ماجہ، ص:۱۹، نسائی/الترغیب والترہیب، ج:۲، ص:۵۷۵

۲: بخاری، ج:۲، ص:۱۱۲۵/ مسلم، ج:۱، ص:۲۶۹/ ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۲۹/ ترمذی، ج:۲، ص:۱۱۴/ابن ماجہ، ص:۲۷۶، نسائی/الترغیب والترہیب، ج:۲، ص:۵۷۲

سِرشت کراماً کاتبین کے ساتھ ہوگا، اور جو شخص تُتلاتے ہوئے قرآن پڑھتا ہے اور قراءت اس پر دشوار ہوتی ہے اُس کے لیے دو ثواب ہیں۔

امام ابوزکریا نووی فرماتے ہیں:

والماهر الحاذق الكامل الحفظ الذي لا يتوقف ولا يشق عليه القراءة لجودة حفظه وإتقانه[1]

ماہر، وہ تجربہ کار، مکمل یادداشت والا شخص ہے جس کو حفظ کی عمدگی اور یاد کی پختگی کے باعث نہ تو رک رک کر پڑھنا پڑتا ہے نہ ہی اسے قراءت میں کوئی دشواری ہوتی ہے۔

حضرت علی ابن ابوطالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُمُ النَّارُ[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھ کر اسے زبانی یاد کرلیا، پھر اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ اسے اس کے اس عمل کے سبب جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن میں ہر ایک پر دوزخ واجب و ثابت ہو چکی ہوگی۔

ابن مَندَہ، جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں:

قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله تَعَالى عَلَيْهِ وَسلم إِذا مَاتَ حَامِل الْقُرْآن أوحى الله إِلَى الأَرْض أَن لَا تأكلي لَحْمه فَتَقول أَي رب

۱: المنہاج شرح مسلم للنووی، ج:۱، ص:۲۶۹

۲: احمد، ج:۱، ص:۲۱۲/ترمذی، ج:۲، ص:۱۱۴/ابن ماجہ، ص:۱۹

كَيفَ آكل لَحْمه وكلامك فِي جَوْفه قَالَ ابْنُ مَنْدَه وَفِي الْبَاب عَن أبي هُرَيْرَة وَعبد الله بن مَسْعُود[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حافظ قرآن مرتا ہے خدائے تعالیٰ زمین کو حکم فرماتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا، عرض کرتی ہے: پروردگار! بھلا میں اس کا گوشت کیوں کر کھاؤں گی جب کہ اس کے سینے میں تیرا مقدس کلام محفوظ ہے۔ ابن مندہ نے کہا: اس باب میں ابوہریرہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔

حضرت علی ابن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ادّبوا اولادكم على ثلاث خصال حب نبيكم وحب اهل بيته وقراءة القراٰن فان حملة القراٰن فى ظل الله يوم لاظل الاظله، مع انبيائه واصفيائه[2]

اپنی اولاد کو تین باتوں کا ادب دو (۱) محبت رسول (۲) حب اہل بیت (۳) قراءتِ قرآن، کیوں کہ حفاظِ قرآن انبیا واصفیا کے ساتھ خدا کے سایۂ کرم میں اس دن ہوں گے جس دن اس کے سایۂ کرم کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ قرآن یاد ہوجانے کے بعد بھولنے نہ پائے۔ اور بھلانے والے کے لیے سخت وعیدیں بیان فرمائیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قَال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ

۱: شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور لجلال الدین السیوطی، ص: ۱۳۳
۲: دیلمی، مختار الاحادیث مصری، ص: ۹، کنز العمال

فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی حفاظت و پابندی کرو کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، یہ رسیوں میں بندھے اونٹوں سے بھی زیادہ چھوٹ کر نکل جانے والا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

اسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِن النَّعَمِ[2]

قرآن یاد کیا کرو کہ رسیوں سے اونٹوں کے چھوٹ نکلنے کی بہ نسبت وہ آدمیوں کے سینوں سے نکل کر جدا ہونے میں زیادہ تیز ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ[3]

قرآن یاد رکھنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو رسیوں میں بندھے اونٹ رکھتا ہو، اگر ان کی دیکھ بھال کرے تو روک سکے، اور اگر چھوڑ دے تو نکل بھاگیں۔

(۴) عہد رسالت میں امامت کے لیے اسی کو ترجیح حاصل ہوتی جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو، وہی اس زمانے میں زیادہ علم والا بھی ہوتا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

۱: بخاری، ج:۲، ص:۷۵۳، مسلم، ج:۱، ص:۲۶۸

۲: بخاری، ج:۲، ص:۷۵۲/مسلم، ج:۱، ص:۲۶۷ وزاد مسلم "بعقلہا" نسائی، ج:۱، ص:۱۱۰

۳: بخاری، ج:۱، ص:۷۵۲/مسلم، ج:۱، ص:۲۶۷/نسائی ج:۲، ص:۱۱۰

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: یؤم القوم أقرؤھم لکتاب اللہ[1]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لوگوں کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ پڑھنے والا ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں فرماتے ہیں:

وَالْأَظْهَرُ أَنَّ مَعْنَاهُ أَكْثَرُهُمْ قِرَاءَةً. بِمَعْنَى أَحْفَظُهُمْ لِلْقُرْآنِ، كَمَاوَرَدَ: أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا[2]

ظاہر تر یہی ہے کہ "اقرأ" کے معنی زیادہ قراءت والا، یعنی جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے تم میں "زیادہ قرآن والا"۔

حضرت ابو سعید سے روایت ہے۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں:

أحقهم بالامامة اقرؤھم[3]

لوگوں میں امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو۔

(۵) ضرورتاً ایک قبر میں چند آدمی دفن کیے جاتے تو جانب قبلہ مقدم وہی رکھا جاتا جو دوسروں پر حفظ قرآن میں فائق ہوتا۔

حضرت ہشام ابن عامر سے روایت ہے:

ان النبی صَلَّى اللّٰهُ تعالی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يوم احدا حْفِرُوا وَاَوسِعُوا وَأَعْمِقُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ

۱: مسلم، ج: ۱، ص: ۲۳۶/ نسائی، ج: ۱، ص: ۸۹

۲: مرقاۃ المفاتیح، باب الامامۃ، ج: ۲، ص: ۸۸

۳: مسلم، ج: ۱، ص: ۲۳۲

وَاحِدٍ وَقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا[1]

رسول اللہ ﷺ نے جنگ اُحُد کے دن فرمایا قبر کھودو، کشادہ، گہری، اور عمدہ کھودو، اور ایک قبر میں دو تین آدمیوں کو دفن کرو، اور آگے اسے رکھو جو زیادہ قرآن والا ہو۔

(۶) نماز میں کچھ قرآن پڑھنا فرض، سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ، یا کم از کم تین چھوٹی آیتوں کی قراءت نماز کی ہر رکعت میں واجب ہوئی (فرض کی صرف تیسری اور چوتھی رکعت اس حکم سے مستثنیٰ ہے) جس کے باعث ہر مسلمان کچھ نہ کچھ قرآن ضرور یاد رکھتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الذی لیس فی جوفه شیء من القرآن کالبیت الخرب[2]

وہ شخص جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ویران گھر کی طرح ہے۔

ان ارشادات اور اس اہتمام عظیم کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ جزوی قرآن کے حافظوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں، پورے قرآن کے حافظوں کی تعداد اس حد کو پہنچ گئی کہ سریۂ بیر معونہ میں (جو عہد رسالت ہی میں پیش آیا) ستر حفاظ قرآن شہید ہوئے۔[3] یقیناً ان کی شہادت کے بعد بھی حفاظ کی کثیر تعداد موجود تھی جبھی تو وصال سید عالم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ذرا بعد، ۱۱ھ ہی میں پیش آنے والی جنگ یمامہ میں حافظ شہدا کی تعداد سات سو تک آئی ہے۔

۱: احمد، ترمذی، ج:۱، ص:۲۰۴/ ابوداؤد، ج:۲، ص:۷۰/ نسائی، ج:۱، ص:۲۸۳/ ابن ماجہ بعضہ، ص:۱۰۹ و بعضہ عن جابر بن عبداللہ۔ بخاری نحوہ عن جابر، ج:۱، ص:۱۷۹

۲: ترمذی، ج:۲، ص:۱۱۵/ حاکم، دارمی، و قال الترمذی ہذا حدیث صحیح

۳: بخاری، ج:۲ ص:۵۸۶

قرآن کے عدم تواتر کا الزام

مگر اسے کیا کیجیے گا کہ ان سب کے باوجود مخالفین اسلام کا الزام یہ ہے کہ عہد رسالت میں صرف چار حافظ تھے۔ زمانۂ مابعد میں اِن ہی چار سے قرآن منقول ہوا۔ لہٰذا عہد رسالت سے تواتر کے ساتھ قرآن منقول نہ ہوا، کیوں کہ صرف چار کی تعداد سے تواتر نہیں ہو سکتا۔

ان کے شبہہ کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث پر ہے:

عَنْ قَتَادَةَ قال سمعت أنسا جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِن الْأَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ و أَبي بن كعب وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ و أَبُو زَيْدٍ[1]

قتادہ بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت انس سے سنا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چار آدمیوں نے قرآن یاد کیا، سب انصاری تھے۔ معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوزید۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعِ الْقُرْآنَ غَيْرُ أَرْبَعَةٍ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ[2]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال اس وقت ہوا کہ صرف ان چار آدمیوں نے قرآن حفظ کیا تھا، ابوالدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابوزید۔

لیکن دوسری روایات واحادیث سے عہد رسالت میں بکثرت حفاظ کا وجود صراحۃً ثابت ہے۔ لہٰذا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے یہ استدلال ہرگز صحیح نہیں کہ واقعۃً

۱: بخاری، ج:۲، ص:۷۴۸

۲: بخاری

عہد رسالت میں صرف چار حفاظ تھے۔

امام مازری فرماتے ہیں:

لَا يَلْزَمُ مِنْ قَوْلِ أَنَسٍ: "لَمْ يَجْمَعهُ غَيْرُهُمْ" أَنْ يَكُونَ الْوَاقِعُ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ كَذَلِكَ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ أَنَّ سِوَاهُمْ جَمَعَهُ وَإِلَّا فَكَيْفَ الْإِحَاطَةُ بِذَلِكَ مَعَ كَثْرَةِ الصَّحَابَةِ وَتَفَرُّقِهِمْ فِي الْبُلَادِ! وَهَذَا لَا يَتِمُّ إِلَّا إِنْ كَانَ لَقِيَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَلَى انْفِرَادِهِ وَأَخْبَرَهُ عَنْ نَفْسِهِ أَنَّهُ لَمْ يَكْمُلْ لَهُ جَمْعٌ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عليه وسلم وهذا فِي غَايَةِ الْبُعْدِ فِي الْعَادَةِ وَإِذَا كَانَ الْمَرْجِعُ إِلَى مَا فِي عِلْمِهِ لَمْ يَلْزَمْ أَنْ يَكُونَ الْوَاقِعُ كَذَلِكَ. (۱)

حضرت انس نے فرمایا "ان کے علاوہ نے حفظ نہ کیا" اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہو۔ اس لیے کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ انھیں ان چار کے سوا دوسرے حضرات کے حفظ کا علم نہ تھا۔ اگر یہ نہ مانا جائے تو بھلا بتائیے سارے حفاظ کا احاطہ وشمار انھوں نے کیسے کیا ہوگا؟ جب کہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور یک جا نہیں بلکہ مختلف شہروں میں منتشر تھے۔ سب کا احاطہ وشمار جبھی ہوسکتا ہے کہ انھوں نے الگ الگ سب سے ملاقات کی ہو، اور ہر ایک نے انھیں اپنے بارے میں باخبر کیا ہو کہ اس نے عہد نبوت میں تکمیل حفظ نہ کی، اور عادۃً ایسی تفتیش وتحقیق انتہائی بعید ہے۔ نتیجۃً یہی کہنا ہوگا کہ انھوں نے محض اپنے علم واطلاع کے لحاظ سے کہا ہے، تو فی الواقع بھی ویسا ہی ہونا ضروری نہیں۔

قاضی ابوبکر باقلّانی نے اس کے متعدّد جوابات دیتے ہوئے ایک جواب یہ بھی ذکر فرمایا ہے:

۱: اتقان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۱۷۱، النوع العشرون

السَّادِسُ: الْمُرَادُ بِالْجَمْعِ الْكِتَابَةُ فَلَا يَنْفِي أَنْ يَكُونَ غَيْرُهُمْ جَمَعَهُ حِفْظًا عَنْ ظَهْرِ قَلْبِهِ وَأَمَّا هَؤُلَاءِ فَجَمَعُوهُ كِتَابَةً وَحَفِظُوهُ عَنْ ظَهْرِ قَلْبٍ. (۱)

جواب ششم یہ ہے کہ حضرت انس کے قول میں "جمع" کے لفظ سے کتابت مراد ہو کہ صرف ان چار حضرات نے پورا قرآن لکھا اور یاد کیا۔ یہ دوسرے حضرات کے حفظ کرنے کے منافی نہیں۔

علامہ ابن حجر ان جوابات کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

وَفِي غَالِبِ هَذِهِ الِاحْتِمَالَاتِ تَكَلُّفٌ

ان میں سے اکثر احتمالات میں تکلف ہے۔

علامہ موصوف ایک حدیث ذکر فرماتے ہیں، اور اس کی روشنی میں یہ واضح کرتے ہیں کہ حضرت انس کا قول صرف ایک قبیلے کے مقابلہ میں ہے۔ تمام صحابۂ کرام کے مقابلہ میں نہیں۔ حدیث یہ ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: افْتَخَرَ الْحَيَّانِ: الْأَوْسُ وَالْخَزْرَجُ فَقَالَ الْأَوْسُ: مِنَّا أَرْبَعَةٌ: مَنِ اهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ ومن عدلت شهادته رَجُلَيْنِ خُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ وَمَنْ غَسَلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي عَامِرٍ وَمَنْ حَمَتْهُ الدَّبْرُ عَاصِمُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ (ای ابن ابی الافلح) فَقَالَ الْخَزْرَجُ: مِنَّا أَرْبَعَةٌ جَمَعُوا الْقُرْآنَ لَمْ يَجْمَعْهُ غَيْرُهُمْ فَذَكَرَهُمْ. (۲)

حضرت انس سے مروی ہے کہ اَوس و خزرج نامی انصار کے دونوں قبیلوں نے باہم مفاخرت کی۔ اَوس نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جیسے تم میں نہیں (۱) سعد بن معاذ،

۱: فتح الباری، ج:۹/ اتقان، ج:۱، ص:۱۷

۲: فتح الباری، ج:۹/ اتقان، النوع العشرون: فی معرفۃ حفاظہ ورواتہ

جن کی روح کے استقبال میں عرش جھوم اٹھا۔(۲) خزیمہ بن ابی ثابت، جن کی شہادت دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی گئی، (۳) حنظلہ بن ابی عامر، جنھیں بعد شہادت فرشتوں نے غسل دیا، (۴) عاصم بن ابی ثابت، بعد شہادت جن کی نعش مبارک کفار کی بے حرمتی سے شہد کی مکھیوں کے ذریعہ محفوظ رکھی گئی---اس پر خزرج نے کہا: ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنھوں نے پورا قرآن یاد کیا، اور دوسروں نے نہ کیا پھر ان کے نام گنائے۔

جب قبیلہ خزرج کی طرف سے قبیلۂ اوس کے مقابلہ میں یہ بات کہی گئی ہے تو اس کے معنی واضح ہیں، اب حضرت انس کے قول کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم خزرج میں چار حفاظ ہیں، اور اوس میں کوئی حافظ نہیں، اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے قبیلوں اور مہاجرین میں بھی حفاظ قرآن نہ ہوں۔

علاوہ ازیں علامہ نووی فرماتے ہیں: یہ حصر کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ ان میں خلفاے اربعہ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور دوسرے صحابۂ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر ہی نہیں۔ جن سے بالکل بعید ہے کہ انھوں نے حفظ قرآن جیسی اہم فضیلت نہ حاصل کی ہو، جبکہ اس سے کم درجہ کی طاعات و عبادات میں ان کی حرص و رغبت معروف و ممتاز ہے۔[1]

ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں: بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کی زندگی ہی میں قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی جس میں قرآن پڑھا کرتے۔ یعنی اس وقت تک جتنا نازل ہو چکا ہوتا پڑھتے رہتے۔ مزید فرماتے ہیں: ان کے حافظ ہونے میں تو ذرا بھی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کیوں کہ انھیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے

۱: شرح مسلم للنووی، ج:۲، ص:۲۹۴

قرآن سیکھنے کا بے حد شوق تھا، اور اس سے ان کے لیے کوئی مانع بھی نہ تھا بلکہ وہ اس کام کے لیے فارغ البال تھے، انہیں ہمیشہ اس کی سہولت بھی تھی۔ مدینہ اور سفر ہجرت کے علاوہ مکہ میں بھی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ ان کے گھر روزانہ صبح و شام تشریف لاتے ---علاوہ ازیں حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: " لوگوں کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ قرآن کا یاد رکھنے والا ہو" رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں حضرت صدیق کو امامت کے لیے آگے بڑھایا اگر ان سے زیادہ کوئی حافظ ہوتا تو اس پر انھیں بھلا کیسے مقدم کرتے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ قرآن کے حافظ تھے۔ (۱)

طبقات ابن سعد، مستدرک حاکم، اور کتاب ابن ابی داؤد میں محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے:

جمع القرآن في زمان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خمسة من الأنصار: معاذ بن جبل، وعبادة بن الصامت، وأبي بن كعب، وأبو أيوب، وأبو الدرداء۔ (۲)

نبی ﷺ کے زمانے میں پانچ انصار نے قرآن حفظ کیا۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابوایوب، ابوالدرداء۔

اس میں حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابوایوب کا ذکر ہے، جو حضرت انس کی حدیث میں نہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند حسن ہے۔

۱: فتح الباری، ج:۹
۲: فتح الباری، ج:۹

ابن سعد، یعقوب بن سفیان، طبرانی، (فی الکبیر) اور حاکم مستدرک میں جلیل القدر تابعی امام شعبی سے راوی ہیں، انھوں نے فرمایا:

جمع القرآن على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ستة نفر من الأنصار: أبي بن كعب، وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل، وأبو الدرداء، وسعيد بن عبيد، وأبو زيد، وكان مجمع ابن جارية قد أخذه إلا سورتين أو ثلاثة. (۱)

عہد رسالت میں چھ انصار نے قرآن حفظ کیا۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، سعید بن عبید، ابوزید، اور مجمع بن جاریہ نے بھی دو تین سورتوں کے علاوہ پورا قرآن یاد کر لیا تھا۔

اس میں حضرت سعید بن عبید کا نام مزید ہے۔ فتح الباری میں ہے مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

جَمَعْتُ الْقُرْآنَ فَقَرَأْتُ بِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اقْرَأْهُ فِي شَهْرٍ (۳)

میں نے قرآن حفظ کر لیا تو ہر رات پورا قرآن پڑھتا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

حضرت انس کی حدیث میں ان کا نام بھی نہیں --- صحیح بخاری میں مسروق سے روایت ہے:

۱: کنز العمال، ج:۱، ص:۲۸۴

۲: فتح الباری، ج:۹، ص:۴۴

۳: نسائی، فتح الباری، ج:۹

ذُكِرَ عَبْدُ اللّٰهِ عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَقَالَ ذَاكَ رَجُلٌ لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اسْتَقْرِئُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَبَدَأَ بِهِ وَسَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَا أَدْرِي بَدَأَ بِأُبَيٍّ أَوْ بِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا یہ وہ شخص ہیں جنھیں میں اس کے بعد سے برابر محبوب رکھتا ہوں جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو، عبداللہ بن مسعود سے، سرکار نے ان کا نام پہلے لیا اور ابو حذیفہ کے غلام سالم، ابی بن کعب اور معاذ ابن جبل سے۔ انھوں نے کہا پتا نہیں سرکار نے اُبَی کا نام پہلے لیا یا معاذ بن جبل کا۔

اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر ہے جو حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو قدیم الاسلام، بعد خلفاے اربعہ افقہ الصحابہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مذکورہ خصوصیت کے حامل ہونے کے ساتھ، قرآن کے اتنے زبردست عالم ہیں کہ خود فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ وَلَا أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيمَ أُنْزِلَتْ وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللّٰهِ تَبْلُغُهُ الْإِبِلُ

۱: بخاری ابواب المناقب، ج:۱، ص:۵۳۱

لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ۔ [1]

قسم خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں قرآن کی جو سورہ بھی نازل ہوئی، میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی، اور جو آیت بھی اتری میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں اتری، اور اگر مجھ سے زیادہ کوئی عالم قرآن دریافت ہوتا جس تک اونٹوں کے ذریعہ رسائی ہو سکے تو میں اس کے پاس حاضر ہوتا۔

اور ان کے حفظ و قراءت کی شان اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو حاکم نے مستدرک میں حضرت علقمہ بن قیس علیہ الرحمۃ سے روایت کی ہے، کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا وہ عرفہ میں تھے، اس نے عرض کیا! اے امیر المومنین! میں کوفہ سے آیا ہوں، وہاں ایک شخص ہے جو زبانی اپنی یاد داشت سے مصاحف لکھاتا ہے۔ یہ سن کر فاروق اعظم اتنے غضب ناک ہوئے کہ غصہ سے پھولنے لگے، معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کے دونوں کنارے بھر دیں گے۔ فرمایا ارے تم پر افسوس! وہ ہے کون؟ اس نے عرض کیا عبداللہ بن مسعود۔ اب آہستہ آہستہ ان کا غصہ فرو ہونے لگا اور پہلے کی طرح پر سکون ہو گئے پھر فرمایا:

ویحك واللّٰه ما أعلمه بقي أحد من المسلمين هو أحق بذلك منه. [2]

ارے! خدا کی قسم عبداللہ بن مسعود سے زیادہ اس کام کا مستحق اب مسلمانوں میں اور کوئی نہیں۔

میں تمہیں ایک حدیث سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ ابوبکر صدیق کے یہاں رات کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں گفتگو کیا کرتے، ایک رات میں بھی ان کے ساتھ

۱: بخاری، باب القراء، ج:۲، ص:۷۴۸

۲: مستدرک، ج:۲، ص۲۲۷

تھا۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکلے، ہم لوگ بھی نکل چلے دیکھا تو مسجد میں ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر بغور اس کی قراءت سننے لگے، جب ہم اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کر کے تھک گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من سره أن يقرأ القرآن رطبا كما أنزل فليقرأه على قراءة ابن أم عبد.[1]

جسے اس بات سے خوشی ہو کہ قرآن جیسا نازل ہوا ہے ویسا ہی پڑھے تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کی قراءت پر پڑھے۔

پھر وہ شخص بیٹھا دعا کرتا رہا تو رسول اللہ ﷺ اس سے فرمانے لگے: **سل تعطه**، مانگو تمہیں عطا ہو، حضرت عمر فرماتے ہیں:

فقلت: والله لأغدون إليه فلأبشرنه! فغدوت إليه لأبشره، فوجدت أبا بكر قد سبقني إليه فبشره، والله! ما سابقته إلى خير قط إلا سبقني إليه.[2]

میں نے کہا خدا کی قسم! میں سویرے اس کے پاس جا کر یہ خوش خبری اسے ضرور سناؤں گا۔ اس کے یہاں صبح کو خوش خبری سنانے گیا تو دیکھا کہ ابوبکر نے مجھ سے پہلے جا کر اسے مژدہ سنا دیا۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی کسی نیک عمل میں ان سے مسابقت کی وہی مجھ پر سبقت لے گئے۔

یہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کا حفظ و قراءت میں مقام---لیکن حضرت انس کی حدیث میں ان کا بھی ذکر نہیں۔ یقیناً اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان ان کے اپنے علم کی حد تک ہے۔ یا یہ کہ انھوں نے صرف قبیلہ اَوس کے مقابلہ میں خزرج

۱: مستدرک، ج:۲، ص۲۲۷

۲: مستدرک، ج:۲، ص۲۲۷

کے حفاظ کا ذکر کیا جس سے بس اتنا ثابت ہوسکتا ہے کہ انصار میں یہی چار حفاظ تھے۔ مگر حضرت انس کی حدیث میں بھی، ایک روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے — دوسری میں ان کی جگہ حضرت ابوالدرداء (عویمر بن مالک) کا تذکرہ ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت قتادہ کی روایت میں بغیر حصر کے ہے۔ دوسری روایت میں حصر کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ حصر بجائے خود اسی حدیث سے محل نظر ثابت ہوجاتا ہے۔

چند حفاظ صحابہ کے اَسما

اب تک جو احادیث ذکر ہوئیں ان سے مندرجہ ذیل حفاظ کے نام معلوم ہوئے:

(۱) معاذ بن جبل (۲) ابی بن کعب (۳) زید بن ثابت (۴) ابوزید (۵) ابوالدرداء (۶) عبادہ بن صامت (۷) سعید بن عبید (۸) عبداللہ ابن عمرو بن العاص (۹) عبداللہ بن مسعود (۱۰) سالم بن معقل، مولیٰ ابی حذیفہ (۱۱) ابوبکر صدیق، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ابوعبید نے **کتاب القراءت** میں درج ذیل حفاظ صحابہ کا ذکر فرمایا ہے:

مہاجرین سے خلفاے اربعہ (۱) ابوبکر (۲) عمر (۳) عثمان (۴) علی (۵) طلحہ (۶) سعد (۷) ابن مسعود (۸) حذیفہ (۹) سالم (۱۰) ابوہریرہ (۱۱) عبداللہ بن سائب (۱۲) عبداللہ بن عباس (۱۳) عبداللہ بن عمر (۱۴) عبداللہ بن عمرو (۱۵) عائشہ (۱۶) حفصہ (۱۷) ام سلمہ۔

انصار سے (۱۸) عبادہ بن صامت (۱۹) معاذ جن کی کنیت ابوحلیمہ تھی (۲۰) مجمع بن جاریہ (۲۱) فضالہ بن عبید (۲۲) مسلمہ بن مخلد، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین --- ان ہی کے ساتھ (۲۳) معاذ بن جبل (۲۴) ابی بن کعب (۲۵) زید بن ثابت (۲۶) ابوزید، (قیس بن السکن) (۲۷) ابوالدرداء (۲۸) سعید بن عبید، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بھی شمار کرلیا جائے جن کا ذکر اوپر ہوچکا۔

لیکن ابوعبید نے اپنے ذکر کردہ حفاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان میں سے بعض نے حضور ﷺ کے بعد تکمیل کی ہے" مثلاً مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق امام شعبی کی روایت گزری کہ حضور کے زمانے میں پورے قرآن کے حافظ تھے مگر دو تین سورتیں اس وقت انھیں یاد نہ تھیں۔

ابن ابی داؤد نے (۲۹) تمیم داری و (۳۰) عقبہ بن عامر کا اور ابو عمرو دانی نے (۳۱) ابوموسیٰ اشعری کا اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بحوالہ طبقات ابن سعد (۳۲) ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث کا بھی ذکر کیا ہے، جنھیں رسول اللہ ﷺ اپنے عہد مبارک میں "شہیدہ" کے لقب سے یاد فرماتے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں انھوں نے اپنے مدبّر غلام اور باندی کے ہاتھوں شہادت پائی، فاروق اعظم پکار اٹھے:

صَدَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: انْطَلِقُوا بنا نزور الشهيدة.[1]

سچ فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے - فرمایا کرتے چلو ہم "شہیدہ" کی زیارت وملاقات کریں گے۔

یہ بتیس (۳۲) حفاظِ صحابہ کے اسمائے گرامی پیش ہوئے، مگر اب بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ میں بس اتنے ہی حفاظ تھے اس لیے کہ عہد صدیقی کی جنگ یمامہ میں سات سو یا زیادہ حفاظ صحابہ کی شہادت ہوئی۔[2]

جنگ یمامہ ۱۱ھ ہی میں وصال سرور عالم ﷺ کے چند ماہ بعد واقع ہوئی، ظاہر ہے کہ اتنے کثیر حفاظ یک بیک تو پیدا نہ ہوئے ہوں گے، یقیناً ان میں اکثر وہی ہوں گے

۱: الاتقان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۷۲
۲: عینی، ج:۲۰ص:۱۶

جو عہد رسالت ہی میں حفظ کی تکمیل کر چکے ہوں تو بتیس سے بھی زیادہ حفاظ کا عہد رسالت میں ہی ہونا یقینی طور پر لازم آتا ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ ان حفاظ سے بحث ہے جنھیں پورا قرآن یاد ہو، رہا اجزاے قرآن یا کچھ قرآن کا حفظ تو اس سے تو شاید ہی کوئی مسلمان مستثنیٰ کیا جا سکے، سرکار کے حجۃ الوداع میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کو پہنچ چکی تھی۔

اب آپ غور کیجیے کیا ان سب حقائق کے پیش نظر قرآن کریم کے عدم تواتر کا استدلال "تار عنکبوت" سے کچھ زیادہ حیثیت رکھتا ہے؟ امام مازری فرماتے ہیں:

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عہد رسالت میں کوئی جماعت کثیرہ ایسی نہ تھی جس کے ہر فرد کو پورا قرآن یاد ہو، تو بھی قرآن عظیم کا عدم تواتر ثابت نہیں ہو سکتا، قرآن کا تواتر یوں بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ اجزاے قرآنیہ ایک جم غفیر کو یاد ہوں، دوسرے کو نہیں، کچھ دوسرے کو یاد ہوں، پہلے کو نہیں، اسی طرح مختلف اجزا، مختلف بڑی جماعتوں کو یاد ہوں۔ مثلاً الگ الگ پانچ پانچ، دس دس، سورتیں، بیس پچیس جماعتوں کو یاد ہوں پھر ان سے اسی طرح منقول ہوں اس طرح بھی تواتر ثابت ہو جاتا ہے۔ (۱)

برسبیل تنزُّل یہ بھی ایک جواب ہے جس کا کوئی جواب نہیں، بہر حال ملاحدہ کا یہ الزام (کہ قرآن بتواتر منقول نہیں) ان کی کوتاہ نظری یا عناد محض کا نتیجہ ہے جو کسی طرح قابلِ التفات نہیں۔

قرآن کی کتابت اور تدوین اول

عرب کا حافظہ مشہور ہے۔ ہزارہا اشعار، قصائد، اُرجوزے، اور روایات ان کو زبانی یاد ہوتیں۔ شعری مقابلوں میں اپنی قوت حافظہ پر فخر کرتے، کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا

۱: اتقان، ج:۱، ص:۱۷

https://alislami.net

اپنے لیے کسر شان سمجھتے، مگر ان سب کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے قرآن کا معاملہ صرف حفظ تک محدود نہ رکھا، بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا۔ جتنا قرآن نازل ہوتا بحکم رسول ﷺ اس کی کتابت بھی ہوجاتی، اس طرح زمانۂ رسالت ہی میں نزولِ قرآن مکمل ہونے کے ساتھ کتابتِ قرآن بھی مکمل ہوگئی اور یہی وہ تدوین وکتابت ہے جو زمانۂ مابعد میں قرآنی خدمت کی اساس اور بنیاد قرار پائی۔

جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جاہلیت" کے زمانے میں آشنائے کتابت کون تھا کہ ابتدائے نزول ہی سے کتابت بھی ہونے لگی، وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ایک تو تاریخ سے بے خبری دوسری "جاہلیت" کے صحیح مفہوم سے ناآشنائی۔

"جاہلیت" ایک خاص مفہوم رکھتا ہے جس سے ایک دَور اور اس کے کردار واحوال کی تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں علم وفن سے کوئی آشنا ہی نہ تھا، اس وقت بھی عرب میں کئی علوم رائج تھے، مگر وہ علم صحیح کی قدریں پامال کررہے تھے، ان کا ماحول اخلاق وکردار کے اعتبار سے متعفن تھا، وہ بے حیائی وبدکرداری پر فخر کیا کرتے۔ ان ہی حالات کی بنا پر اس دور کو دور جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ [1]

اور بے پردہ نہ ہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔

کچھ ویسے ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالات، آج یورپ میں پیدا ہوچکے ہیں، اس خاص اصطلاح کے پیش نظر مغرب کو اس کی تمام تر ایجادات، علم وفن اور دنیاوی ترقیوں کے باوجود نمونۂ "جاہلیت" کہا جاسکتا ہے۔

کتابت کا ثبوت تو خود قرآن سے ملتا ہے:

۱: احزاب، س:۳۳، آیت:۳۳، پ:۲۲

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ (۱)

طور کی قسم، اور اس نوشتہ کی جو کھلے دفتر میں لکھا ہے۔

یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ (۲)

کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں۔

اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (۳)

جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دَین کا لین دین کرو تو اُسے لکھ لو۔

وَ لْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ (۴)

اور چاہیے کہ تمھارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک لکھے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾ (۵)

وہ اللہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں۔

لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۷۹) (۶)

اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔

احادیث اس مقصد کے اثبات میں بے شمار ہیں، اُن سب کا استقصا بہت دشوار ہے، حدیث کے عام طلبہ سے بھی وہ مخفی نہیں، پھر آگے خاص کتابتِ قرآن سے متعلق احادیث آرہی ہیں، اس مبحث کے لیے وہی کافی ہیں۔

تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ظہور اسلام کے وقت عرب کتابت سے ناآشنا نہ تھے

۱: طور، س:۵۲، آیت:۱تا۳، پ:۲۷
۲: بقرہ، س:۲، آیت:۷۹، پ:۱
۳: بقرہ، س:۲، آیت:۲۸۲، پ:۳
۴: بقرہ، س:۲، آیت:۲۸۲، پ:۳
۵: بینہ، س:۹۸، آیت:۲، ۳، پ:۳۰
۶: واقعہ، س:۵۶، آیت:۷۹، پ:۲۷

اگرچہ ان میں لکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی مگر قرآن کی کتابت کے لیے بقدر کفایت افراد ضرور موجود تھے۔

"دائرۃ معارف القرن العشرین" کے الفاظ میں کتابت کی اجمالی تاریخ یہ ہے:

الخط عندالعرب كان مجهولا قبيل ظهورالاسلام بنحوقرن, لان احوالهم الاجتماعية وماكانوا عليه من دوام الحروب والغارات صرفهم عن ذالك, ويعنى بهولاء العرب عرب الحجاز الذين ظهر فيهم رسول الله ﷺ اما العرب الذين كانوا مجاورين للفرس والرومان, وبنو حمير فى اليمن والانباط فى شمال جزيرةِ العرب فقد تعلموا الخط من زمان مديد على ان بعض اهل الحجاز ممن رحلوا الى العراق والشام تعلموا الخط النبطى والعبرى والسريانى وكتبوا به الكلام العربى, ثم لما جاء الاسلام تولد عن الخط النبطى النسخ وعن السريانى الخط الكوفى ويقال ان اول من تعلم هذا الخط هو بشر بن عبدالملك الكندى, تعلمه من الانبار, وتزوج اخت ابى سفيان بن حرب بمكة وعلم هذا الخط لجماعة من قريش, كذا ذكره الجلال السيوطى۔[1]

"عرب ظہور اسلام سے قریبًا ایک صدی پہلے کتابت سے ناآشنا تھے۔ کیوں کہ ان کے معاشرتی احوال اور پیہم جنگوں، غارتوں میں ان کی مصروفیت، ان کے لیے اس فن سے مانع رہی--- ان عرب سے مراد عرب حجاز ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ کا

1: دائرۃ معارف القرن العشرین، ج۳، ص:۷۲۱، ۷۲۲، از محمد فرید وجدی، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان طبع سوم ۱۹۷۱ء

ظہور ہوا، ورنہ فارس وروم کے ہمسایہ عرب، یمن کے بنو حِمْیَر، اور شمالی جزیرۂ عرب کے نبطی تو عرصۂ دراز سے آشنائے کتابت تھے۔ اور بعض اہل حجاز جنھوں نے عراق وشام کا سفر کیا، انھوں نے بھی، نبطی، عبرانی، وسریانی خط سیکھ لیا تھا اور اسی خط میں عربی کلام بھی لکھتے پھر جب اسلام آیا تو خطِ نبطی سے "خط نسخ" اور سریانی سے "خط کوفی" پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے سب سے پہلے یہ خط سیکھنے والا بشر بن عبد الملک کندی ہے جس نے انبار سے سیکھا۔ اور مکہ میں ابوسفیان بن حرب کی بہن سے نکاح کیا، اور ایک جماعت قریش کو یہ خط سکھادیا۔ جلال الدین سیوطی نے یوں ہی ذکر فرمایا ہے"۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ فارس وروم کے ہمسایہ عرب، یمن کے بنی حمیر اسی طرح شمال عرب کے انباط، زمانۂ قدیم سے لکھنا جانتے تھے۔ اور عراق وشام کا سفر کرنے والے بعض اہل حجاز بھی کتابت سے آشنا تھے۔

ظہور اسلام کے وقت قریش کے قریبًا سترہ آدمی کتابت سے واقف تھے ان میں حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان اور معاویہ بھی شامل ہیں -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- یوں ہی کچھ اہل مدینہ اور یہود تاجرین بھی لکھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کتابت کے فروغ پر خصوصی توجہ فرمائی۔ غزوۂ بدر میں جب قریش کے کچھ ایسے افراد بھی گرفتار ہوئے جو کتابت سے آشنا تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کا یہ فدیہ قبول فرمایا، کہ وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھادیں اس طریق کار سے لکھنے والوں کی ایک خاصی جماعت پیدا ہوگئی، اور عرب میں کتابت کو عام فروغ حاصل ہوا۔ حضرت زید بن ثابت نے بھی اسی طرح کتابت سیکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے انھوں نے سریانی زبان بھی سیکھی۔

بہرحال یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ عرب اور خصوصًا مسلمانوں میں کتابت سے آشنا افراد ضرور موجود تھے جن کے ذریعہ عہد رسالت میں قرآن کی کتابت ہوتی رہی۔

کاتبان بارگاہ رسالت

رجال وسیر کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں کے نام ملتے ہیں مگر سب کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ کس نے کیا لکھا، علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

ابی بن کعب رسول اللہ ﷺ کے کاتبان وحی میں ہیں۔ زید بن ثابت سے پہلے اوران کے ساتھ بھی یہ وحی لکھا کرتے، البتہ زید بن ثابت صحابہ میں سب سے زیادہ کتابت وحی کا کام کرنے والے ہیں (گویا یہی اس کے لیے مقرر تھے) محمد بن سعد نے واقدی کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت ابی بن کعب سب سے پہلے کاتب وحی ہیں یہ نہ ہوتے تو حضور زید بن ثابت کو بلاتے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں یہ دونوں حضرات وحی لکھا کرتے۔ اس کے علاوہ خطوط، فیصلے وغیرہ بھی لکھتے۔ (۱)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے کاتبان رسول کے نام اور مختصر حالات مدارج النبوۃ میں بیان کیے ہیں، یہاں بھی اس کا ایک اختصار قلم بند کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ: زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا، بعض نے عبدرب الکعبہ بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا، والد ابوقحافہ عثمان ہیں۔ حضور ﷺ کے دوسال چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔ یہ مدت، ان کی مدتِ خلافت کے برابر ہے جس سے ان کی عمر کے تریسٹھ سال پورے ہوتے ہیں۔ ان کے خصائص ومناقب بہت ہیں۔ ۲۲/ جمادی الآخرہ ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزار کر سہ شنبہ کی شب میں مغرب وعشا کے درمیان وصال فرمایا۔ (۲)

۱: کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج:۱، ص:۲۷۔ ذکر ابی بن کعب، للحافظ ابی عمر یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی، ۳۶۸ھ - ۴۶۳ھ۔

۲: اکمال فی اسماء الرجال، ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، بخاری کتاب الجنائز، ج:۱، ص:۱۸۶

(۲) عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ: عام الفیل کے تیرہ سال بعد، یک شنبہ کی رات، پہلی محرم کو پیدا ہوئے۔ ان کے اسلام لانے سے حق و باطل میں فرق وامتیاز اور جدائی کا اعلان ہو گیا، اس لیے فاروق لقب ہوا۔ دس سال چھ ماہ خلافت رہی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابولولو کے ہاتھ ۲۶/ ذوالحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کو زخم کاری لگا جس کے تیسرے دن شہادت پائی پہلی محرم ۲۴ھ یک شنبہ کے دن مدفون ہوئے۔

(۳) عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ: عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر، علی اور زید بن حارثہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ مدت خلافت بارہ سال ہے۔ ۱۸/ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن شہادت پائی۔ شنبہ کی رات میں مغرب وعشا کے درمیان مدفون ہوئے، اس وقت ان کی عمر بیاسی سال تھی۔

(۴) علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: جاہلیت واسلام دونوں زمانوں میں ان کا نام علی رہا۔ علامہ ابن حجر، اصابہ میں اکثر اہل علم کا قول ذکر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر نے اپنا اسلام فوراً ظاہر کر دیا۔ مگر حضرت علی نے اپنے باپ کی وجہ سے چھپایا۔ اسلام لانے کے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ ان کی خلافت چار سال، سات ماہ، چھ یا بارہ روز رہی۔ ۱۸/ رمضان ۴۰ھ صبح جمعہ کو ابن مُلجِم مرادی نے زخم لگایا جس سے تین شب بعد ۲۱/ رمضان کو تریسٹھ سال کی عمر میں شہادت نصیب ہوئی۔ [1]

(۵) طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: عثمان حضرت ابوبکر کے والد ابوقحافہ ہیں۔ عبیداللہ اور ابوبکر عبداللہ، حضرت ابوقحافہ عثمان کے فرزند ہیں۔ اور عبیداللہ کے فرزند حضرت طلحہ ہیں۔ تو یہ حضرت ابوبکر صدیق کے بھتیجے ہوئے۔ یہ ان آٹھ حضرات میں سے ہیں جنھوں نے قبول اسلام میں سبقت کی۔ اور ان پانچ اصحاب عظام سے جو

۱: اکمال فی اسماء الرجال للخطیب التبریزی

حضرت ابوبکر صدیق کے دست پاک پر اسلام لائے۔ عشرہ مبشرہ سے بھی ہیں۔ جنگ احد میں ان کا کارنامہ حضرت ابوبکر تک کے لیے قابل رشک رہا۔ حضرت علی کے عہد خلافت میں ۲۰ر جمادی الآخرہ ۳۶ھ پنج شنبہ کے دن، جنگ جمل میں، مروان بن الحکم کے ہاتھوں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

(۶) زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی ماں، ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی پھوپھی اور اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی زوجہ تھیں۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر اسلام لائے جس کی پاداش میں ان کے چچا نے انھیں چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ مگر یہ اسلام پر قائم رہے۔ ہجرت حبشہ کی، بدر اور دیگر غزوات و مشاہد میں شریک رہے۔ روز احد حضور کے ساتھ ثابت رہنے والوں میں ہیں۔ یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے راہ خدا میں تلوار کھینچی۔

روز جمل ۳۶ھ میں چونسٹھ سال کی عمر پاکر ابن جرموز کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئے۔ پہلے راوی السباع میں مدفون ہوئے پھر وہاں سے بصرہ میں منتقل کیے گئے۔

(۷) سعد بن ابی وقاص مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد وفات پانے والے ہیں۔ کبار صحابہ و تابعین نے ان سے روایت کی۔ دعاے سرکار کی بدولت مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر سترہ یا انیس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے راہ خدا میں تیر اندازی کی۔ بحکم فاروق اعظم شہر کوفہ تعمیر کیا۔ اور دور فاروقی میں اس کے والی رہے۔

مدینہ منورہ سے دس میل دوری پر واقع عقیق نامی موضع میں اپنا دولت کدہ تعمیر کیا تھا۔ وہیں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ اس وقت ان

کی عمر تہتر سال سے زیادہ تھی۔

(۸) عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام ہیں، سفر ہجرت میں آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت صدیق کے ساتھ رہے۔ سریۂ بیر معونہ میں چالیس سال کی عمر پاکر شہید ہوئے۔

(۹) ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انصار کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ "خطیب رسول اللہ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے انھوں نے قریش کے جواب میں خطبہ دیا تو اپنی فصاحت وبلاغت، اور کمال خطابت کے سامنے قریش کو ساکت وعاجز کر دیا۔ ۱۱ھ عہد صدیقی کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۱۰) خالد بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قدیم الاسلام ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ صدیق اکبر کے بعد سب سے پہلے قبول اسلام کیا۔ بعض تیسرے بعض چوتھے بعض پانچویں مسلمان بتاتے ہیں۔ ہجرت حبشہ میں یہ بھی تھے۔ پھر غزوۂ خیبر میں حضور کے پاس حاضر ہوئے۔ اور بعد خیبر کے غزوات ومشاہد میں شریک رہے۔ یوم مرجُ الصُّفَّر یا یوم اجنادین میں وفات پائی۔ [1]

(۱۱) ابان بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیان مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں سریۂ نجد میں بھیجا، اور بحرین کا عامل بنایا۔ ارباب سیر نے خالد وابان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بھائیوں کو کاتبین رسول سے شمار کیا ہے۔

ان کے سال وفات میں اختلاف ہے [۱] یوم مرجُ الصُّفَّر ۱۴ھ [۲] معرکۂ اجنادین

۱: اصابہ، ج:۱، ص:۴۰۷

جمادی الاولیٰ ۱۲ھ یا ۱۳ھ [۳] ۲۹ھ [۱] [۴] ۲۷ھ خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ [۲]

(۱۲) حنظلہ بن الرُّبَیّع رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کتابت وحی کی خدمت انجام دینے کے باعث انھیں "حنظلۃ الکاتب" کہاجاتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوائل عہد خلافت میں وفات پائی۔

(۱۳) ابوسفیان صخربن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں۔ عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے، زمانۂ جاہلیت میں سرداران قریش سے تھے۔ رؤساے قریش کا علم ان ہی کے ہاتھوں رہا۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، اٹھاسی سال کی عمر پاکر ۳۴ھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ بقیع میں مدفون ہوئے۔

(۱۴) یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما: فتح مکہ کے دن اسلام لائے، حضرت ابو سفیان کے فرزندوں میں سب سے بہتر شمار ہوتے ہیں، انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقات بنی عراس کی وصولی کا عامل بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ۱۲ھ میں انھیں عامل مقرر کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انھیں فلسطین اوراس کے اطراف میں جانے والی فوجوں کا والی بنایا۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی وفات کے بعد انھیں شام کا بھی والی بنادیا۔ ۱۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۵) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما: یہ بھی کاتبان وحی سے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ صرف خطوط اور منشورات لکھا کرتے تھے۔ عہد فاروقی میں اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کے بعد شام کے حاکم ہوئے اوراس وقت سے وفات تک والیِ شام رہے۔ ۴۱ھ میں جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انھیں خلافت سپرد کردی، توان کی

۱: اسد الغابہ لابن اثیر علی بن محمد جزری ۵۵۵ھ - ۶۳۰ھ ج:۱، ص:۴۷

۲: اصابہ لابن حجر العسقلانی ۷۷۳ھ - ۸۵۲ھ ج:۱، ص:۱۴

حکومت مزید مستحکم ہوگئی۔ اٹھہتر سال کی عمر پاکر ۸/ رجب ۶۰ھ میں وصال فرمایا۔

ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا تہمد، چادر، کرتا، کچھ ناخن اور موہاے مبارک تھے جن کے متعلق وقتِ وفات وصیت کر گئے کہ مجھے حضور کے مبارک کرتے، چادر اور تہمد میں کفن دیا جائے، مقدس ناخنوں اور بالوں سے میرا منہ، ناک اور اعضاے سجدہ بھر دیے جائیں، اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا جائے۔

(۱۶) زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر گیارہ سال تھی، ان کے صاحب زادے خارجہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے متعلق بتایا کہ مجھے سرکار کی تشریف آوری کے وقت، ان کی خدمت میں حاضر کر کے عرض کیا گیا، یہ بنی نجار کا ایک فرزند ہے جس نے قرآن کی سترہ سورتیں سیکھ لی ہیں۔ اس کے بعد میں نے حضور ﷺ کو قرآن سنایا تو انھوں نے میری قراءت پسند کی۔ اور فرمایا: زید! یہود کا خط اور کتابت سیکھ لو، اس لیے کہ یہود کی طرف سے کتاب کے معاملے میں اطمینان نہیں۔ اس میں زیادتی و کمی کر دیا کرتے ہیں تم سریانی زبان سیکھ لو، فرماتے ہیں میں نے سیکھنا شروع کیا۔ اور نصف ماہ نہ گزرا کہ ماہر ہو گیا، پھر میں لکھا کرتا، اور یہود سے حضور ﷺ کی مراسلت ہوتی۔

لوگ انھیں "کاتب رسول" ﷺ کہا کرتے، اس لیے کہ زیادہ تر وحی کی کتابت ان ہی کے سپرد ہوتی۔ قضا، فتویٰ، فرائض اور فقہ کے اکابر علما سے ہیں۔ عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں تدوین قرآن کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی۔ مدینہ کے اندر ۴۵ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حسنہ ان کی ماں کا نام ہے۔ والد کا نام عبداللہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن حسنہ کے بھائی ہیں۔ امیر صحابی ہیں۔ ہجرت حبشہ سے مشرف ہوئے، ابن ماجہ نے حضور سے ان کی ایک حدیث نماز میں ترک طمانیت پر وعید سے

متعلق روایت کی ہے۔ نجاشی کے ام حبیبہ کا نکاح حضور ﷺ سے کرانے کی حدیث میں بھی ان کا ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے انھیں قاصد بناکر مصر بھیجنے کی بھی روایت ہے۔ جب سرکار نے وصال فرمایا تو شرحبیل مصر ہی میں تھے۔ حضور سے، اور حضرت عبادہ بن صامت سے انھوں نے روایت کی ہے، ان سے ان کے لڑکے ربیعہ نے روایت کی ہے۔ ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا۔ یہی ہوسکتا ہے کہ مصر پیام رسانی کے وقت حضور نے ان سے کتابت کرائی ہو۔

(۱۸) علاء حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مشہور صحابی ہیں، بحرین پر رسول اللہ ﷺ کے عامل تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی انھیں وہاں کا عامل برقرار رکھا۔ یہاں تک کہ ۱۴ھ میں وفات پائی۔ قبیلہ حضرموت سے تھے۔ اس لیے **حضرمی** نسبت ہے۔

(۱۹) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان کی ماں لُبابہ صغریٰ، حضرت عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ ام الفضل لبابہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن تھیں۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد یا غزوۂ موتہ سے دو ماہ قبل اسلام لائے۔ مختلف اسلامی غزوات میں ان کے نمایاں کارنامے ہیں۔ ۲۱ھ عہد فاروقی میں وصال ہوا۔

(۲۰) محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ: صحابۂ کرام میں یہ پہلے شخص ہیں جن کا نام محمد رکھا گیا۔ قدیم الاسلام ہیں۔ مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ تبوک کے سوا تمام غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے۔ تبوک میں حضور ﷺ نے انھیں مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، جمل اور صفین کے نزاعات سے کنارہ کش اور گوشہ نشین رہے۔ ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ۷۷ / برس کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

(۲۱) عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ: سابقین اولین سے ہیں، بیعت عقبہ، بدر، اُحد، خندق اور اپنی زندگی کے تمام غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے۔ ۸ھ جنگ

موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ یہ دربار رسالت کے اُن شعرا سے ہیں جنھوں نے اپنے اشعار سے ناموس رسول کی حمایت، اور کفار کی مذمت کی، سرکار کی مدح میں ان کا یہ شعر بہت خوب ہے۔

لولم تكن فيه آية بينة
كانت بديهته بينتك بالخبر

(۲۲) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مشہور صحابی ہیں۔ غزوۂ خندق کے سال اسلام لائے، بصرہ پھر کوفہ کے والی رہے۔ وہیں ۵۰ھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں وفات پائی۔

(۲۳) عَمرو بن العاص بن وائل قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۸ھ میں اسلام لائے، ایک قول یہ ہے کہ ۵ھ میں مسلمان ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں عمان کا والی بنایا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مصر فتح کیا۔ اور والی مصر رہے۔ حضرت عثمان کے اواخر عہدِ خلافت میں معزول رہنے کے بعد، پھر حضرت معاویہ کے زمانے میں والی مصر ہوئے وہیں ۴۳ھ میں نوے سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

(۲۴) عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ عبداللہ بن اُبَی سردار منافقین کے فرزند ہیں۔ اپنے باپ کے برخلاف، مسلمان اور عاشق رسول تھے۔ بدر اور تمام غزوات ومشاہد میں شریک رہے، دور صدیقی کی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۲۵) جہم بن سعد اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قُضاعی اور قرطبی نے انھیں بھی کاتبان رسول سے شمار کیا ہے، لکھا ہے کہ یہ اور حضرت زبیر اموال صدقہ لکھا کرتے۔

(۲۶) جہیم بن الصلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: استیعاب میں ہے کہ فتح خیبر کے سال اسلام لائے۔ اصابہ میں ہے کہ کاتب رسول تھے۔ مغازی ابن اسحٰق میں ہے کہ جہیم اور زبیر اموال صدقہ لکھا کرتے تھے۔

(۲۷) ارقم بن ابی ارقم مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ ساتویں مسلمان ہیں۔ بدری صحابی، اور مہاجرین اولین سے بھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریش سے روپوش ہوکر کوہ صفا پر واقع ان ہی کے گھر میں مقیم تھے۔ وہیں سے لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے۔ یہاں تک کہ فاروق اعظم کے اسلام لانے سے چالیس کی تعداد پوری ہوگئی۔ اور سرکار باہر تشریف لائے۔

انھوں نے مدینہ کے اندر، اسّی سال سے زائد عمر پاکر ۵۵ھ میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

(۲۸) عبداللہ بن زید بن عبد ربّہ انصاری خزرَجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ وہ بزرگ صحابی ہیں جنھوں نے اھ میں، اذان خواب میں دیکھی، اور بحکم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت بلال کو سکھائی اور نماز کے لیے اذان کا طریقۂ اعلان جاری ہوا۔ بیعت عقبہ، بدر اور دوسرے غزوات ومشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے۔ ۳۲ھ میں چونسٹھ سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

(۲۹) علاء بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اصابہ میں ہے کہ مستغفری نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے اور تاریخ معتصم بن صادح میں ہے کہ علاء اور ارقم معاہدے اور معاملات لکھا کرتے تھے۔

(۳۰) ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان کا نام خالد بن زید ہے۔ بیعت عقبہ، بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۵۰ھ یا ۵۱ھ حضرت معاویہ کے زمانۂ حکومت میں قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ سرحد قسطنطنیہ کے قریب، ان کی قبر مبارک، زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۳۱) حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحب اسرار ہیں۔ مسلم شریف میں ان کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے

تمام واقعات و حوادث اور فتنے بتادیے۔ ان ہی کا قول ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ہر قبیلہ کے سردار اس کے منافقین نہ ہوجائیں۔ ۳۵ھ میں شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار شب بعد، مدائن میں وفات پائی، ان کی قبر مبارک وہیں ہے۔

(۳۲) بریدہ ابن الحصیب مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: بدر سے پہلے اسلام لائے۔ مگر بدر میں نہ تھے۔ حدیبیہ اور بیعت الرضوان میں حاضر رہے۔ مدینہ کے باشندے تھے وہاں سے بصرہ منتقل ہوگئے پھر جنگ میں خراسان جانا ہوا۔ وہیں یزید بن امیر معاویہ کے زمانے ۶۲ھ میں بمقام مرو وفات پائی۔

(۳۳) حُصین بن نُمیر بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ابوعلی مسکویہ نے اپنی کتاب تجارب الامم میں حصین بن نمیر کا نام کاتبین رسول میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عباس بن محمد نے معتصم کے لیے مرتب کردہ اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملات و مداینات لکھا کرتے۔

(۳۴) عبداللہ بن ابی سَرح سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ابتداءً کتابت وحی کی، پھر مرتد ہوکر کفار کا ساتھ اختیار کیا، پھر توبہ کی اور حضرت عثمان کی سفارش پر حضور نے فتح مکہ کے سال معافی دی، فتح مصر میں شریک رہے ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں وفات پائی۔ ابن مندہ نے ۷۵ھ میں وفات بتائی ہے۔

استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں، عبداللہ بن سعد نے توبہ کی اسلام لائے اوران کا اسلام خوب و بہتر ہوا۔ اس کے بعد کوئی قابل نکیر چیز سرزد نہ ہوئی، قریش کے نُجبا و عُقلا سے تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ رملہ کی طرف آئے۔ اور وقت صبح دعا کی، خداوندا! میری آخری عمر نماز صبح میں صرف ہو، پھر وضو کیا، نماز ادا کی داہنی طرف سلام پھیرا، بائیں طرف سلام پھیرنا چاہا کہ روح قبض ہوگئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۵)ابو سلمہ بن عبدالاسد قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے۔ کنیت سے مشہور ہوئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا عقد ان ہی سے ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رضاعی اخوت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ سابقین اولین سے تھے۔ دس آدمیوں کے بعد اسلام لائے۔ بعد اُحد ۴ھ میں وفات پائی۔ ہجرت حبشہ سے بھی مشرف ہوئے۔ اپنی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ، مدینہ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص ہیں، ان کی جاں کنی کے وقت سرکار نے یہ دعا کی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ، وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ[1]

خداوند! ابو سلمہ کی مغفرت فرما: اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند فرما، اس کے پس ماندگان میں اس کا بہتر بدل مقرر فرما، اے رب العالمین! ہمیں اور اسے اپنی رحمت سے چھپالے، اور اس کے لیے اس کی قبر میں کشادگی اور روشنی کردے۔

(۳۶)حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فتح مکہ کے وقت اسلام لانے والوں میں سے ہیں، اس وقت ان کی عمر ۶۰/ سال تھی۔ حنین اور طائف میں حاضر ہوئے۔ ان کا اسلام خوب و بہتر ہوا۔ امام بخاری نے تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وقت وفات ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(۳۷)حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ: استیعاب میں ابن عقبہ سے منقول ہے کہ یہ حاضرین بدر سے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے۔ حبشہ کو دو ہجرتیں کیں۔ زُہری نے بالجزم کہا ہے کہ حبشہ سب سے پہلے ہجرت

۱: مسلم شریف، ج:۱، ص:۳۰۱، کتاب الجنائز

کرنے والے یہی ہیں۔

(۳۸) ابن خطل: پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا، فتح مکہ سے پہلے مدینہ آکر مسلمان ہوا۔ حضور ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اور ایک قبیلہ کی طرف وصولیِ زکات کے لیے بھیجا۔ یہ مرتد ہوگیا، اور صدقہ کے جانور لے کر مکہ چلا گیا، قریش سے کہا میں نے تمھارے دین سے بہتر کوئی دین نہ پایا۔ بحکم سرور کائنات، فتح مکہ کے دن خانۂ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا قتل کیا گیا۔ ہوسکتا ہے اس نے قبل ارتداد کتابت کی ہو۔ مگر کہیں اس کی صراحت نہیں ملتی۔

(۳۹) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: جلیل القدر صحابی ہیں۔ سرکار کے زمانے میں حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ مدینہ میں سب سے پہلے کاتب وحی یہی ہیں۔ فقہاے صحابہ میں ان کا بھی شمار ہے۔ بہترین قاری تھے، بحکم الٰہی حضور نے ان کو قرآن سنایا، خط کے آخر میں "کتبہ فلان بن فلان" سب سے پہلے لکھنے والے یہی ہیں۔ خلافت عثمانی ۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۴۰) عبداللہ بن ارقم قرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فتح مکہ کے سال اسلام لائے، ان کی امانت داری پر رسول اللہ ﷺ کو اتنا اعتماد تھا کہ انھیں بادشاہوں کے نام خطوط لکھنے کا حکم دیتے اور یہ نہ فرماتے کہ کیا لکھیں۔ اور ان کے لکھنے کے بعد بغیر پڑھے مہر کر دیتے۔ حضور ﷺ کے بعد حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کاتب رہے۔ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بلا اجرت، ولایتِ بیت المال کی خدمت انجام دی، خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

(۴۱) معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: سابقین اولین سے ہیں۔ حبشہ کی ہجرت ثانیہ سے مشرف ہوئے اور وہیں مقیم رہے۔ پھر خیبر میں یا اس سے پہلے مدینہ میں سرکار کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو مدینہ میں بیت المال

کا والی بنایا۔ آخرِ خلافت عثمانی میں وفات پائی۔ (۱)

کتابت وحی

قرآن حسب ضرورت ومصلحت نازل ہوتا، کبھی پانچ آیات کبھی دس کبھی کم وبیش، قصۂ اِفک میں یک بارگی دس آیات کا نزول، اسی طرح سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیات کا ایک ساتھ نزول، صحیح روایات میں مذکور ہے۔ یوں ہی تنہا ''**غیرُ اولی الضرر**'' (۲) کا نزول روایت صحیحہ سے ثابت ہے، اور یہ جزوِ آیت ہے۔ **وان خفتم عیلة فسوف یغنیکم الله** (الآیۃ) (۳) کا نزول بھی اول آیت کے نزول کے بعد ہوا، یہ بھی جزوِ آیت ہے۔ (۴)

بہر حال جتنا بھی قرآن نازل ہوتا رسول اللہ ﷺ اس کی کتابت کرالیتے۔ امام احمد ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابوعبید، نحاس، ابن حبان، ابونعیم، ابن مردویہ راوی ہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنْزِلُ عليه السور ذوات الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ: ضَعُوا هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا (۵)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر متعدّد سورتیں نازل

۱: مدارج النبوۃ، ج:۲، ص:۵۳۰ تا ۵۶۰، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ
۲: نساء، س:۴، آیت:۹۵، پ:۵
۳: توبہ، س:۹، آیت:۲۸، پ:۱۰
۴: اتقان، ج:۱ نوع:۱۶، ص:۴۲، ۴۳
۵: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۱

https://alislami.net

ہوتیں توجب ان پر کچھ نازل ہوتا تو کسی لکھنے والے کو بلا کر فرماتے یہ آیات اس سورہ میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے۔

حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کرکے فرمایا ھذا حدیث صحیح الاسناد، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[1]

دوسری حدیث حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جسے حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح بتایا ہے۔

قال کُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ[2]

ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قرآن چرمی پارچوں سے جمع کرتے۔

عارف باللہ حضرت حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں:

کِتَابَۃُ الْقُرْآنِ لَیْسَتْ بِمُحْدَثَۃٍ فَإِنَّہُ صَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَأْمُرُ بِکِتَابَتِہِ وَلٰکِنَّہُ کَانَ مُفَرَّقًا فِي الرِّقَاعِ وَالْأَکْتَافِ وَالْعُسُبِ[3]

قرآن کی کتابت زمانۂ رسول کے بعد کی پیداشدہ چیز نہیں، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کی کتابت کراتے تھے، لیکن اس وقت قرآن چرمی پارچوں (اونٹ کے مونڈھوں کی) ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا منتشر تھا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنا قرآن نازل ہوتا وہ قید تحریر میں آجاتا، اس طرح سرکار کے زمانے ہی میں پورا قرآن لکھا جاچکا تھا، مگر

۱: مستدرک، ج:۲، ص:۲۲۱و۲۳۰

۲: مستدرک، ج:۲، ص:۲۳۰، جامع ترمذی

۳: اتقان، ج۱، ص:۶۰، نوع:۱۸

ترتیب آیات وسور کے ساتھ یک جانہ تھا۔

فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری، اتقان، میں بالفاظ متقاربہ ہے:

قَدْ كَانَ الْقُرْآنُ كُلُّهُ كُتِبَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكِنَّهُ كَانَ غَيْرَ مَجْمُوعٍ فِي مَوْضِعٍ وَاحِدٍ وَلَا مُرَتَّبَ السُّوَرِ

عہد رسالت میں پورا قرآن لکھا جاچکا تھا۔ لیکن یک جا اور سورتوں کی باہمی ترتیب کے ساتھ نہ تھا۔

بہر حال یہ دعویٰ کہ قرآن عہد رسالت کے بعد لکھا گیا ہرگز صحیح نہیں، بلکہ پورے قرآن کی کتابت عہد رسالت ہی میں ہوچکی تھی، اور اسی کتابت کی بنیاد پر عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآنی خدمت انجام دی گئی۔

فرق یہ ہے کہ عہد رسالت میں قرآن علاحدہ علاحدہ اوراق میں تھا۔ عہد صدیقی میں علاحدہ علاحدہ صحیفوں میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں۔ اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات وسُوَر مرتب ہوئیں۔ مگر اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ زمانۂ نبوی میں اگر کتابتاً اوراق میں قرآن مرتب نہ تھا تو حفظاً سینوں میں بھی مرتب نہ تھا۔

آگے معلوم ہوگا کہ قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو ترتیب عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں صحف ومصاحف کے اندر قائم ہوئی یہ وہی ترتیب ہے جو بعہدِ رسالت سینۂ حفاظ میں تھی اور جسے صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتوقیف سے حاصل کیا تھا۔

اشیاے کتابت

رہا یہ اعتراض کہ اس زمانے میں کاغذ دست یاب نہ تھا تو پھر کتابت کس چیز پر ہوتی؟ میں کہوں گا یہ اعتراض بھی تاریخ وحدیث سے بے خبری کی پیداوار ہے — اس وقت عرب میں کاغذ کی صنعت اور درآمد نہ تھی تو کیا اس سے یہ لازم ہوگا کہ ایسی کوئی دوسری چیز بھی نہ تھی جس پر کتابت ہو سکے؟

یہ ثابت ہو چکا کہ اس زمانے میں کتابت ہوتی تھی، کتابیں بھی تھیں۔ خیبر، مدینہ اور دیگر مقامات میں یہود کے بہت سے اجتماعی وانفرادی کتب خانے تھے۔ تو اگر کوئی سامانِ کتابت نہ تھا تو وہ ساری کتابیں اور تحریریں معرض وجود میں کیسے آئیں؟ قرآن ہی میں یہود سے متعلق فرمایا گیا:

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا[1]

گدھے کی طرح بڑی بڑی کتابیں لادے ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس زمانے میں کتابت اور کتابیں تھیں تو اشیاے کتابت بھی ضرور تھیں---اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کی کتابت کس چیز پر ہوتی تھی اس سلسلے میں جن چیزوں کے نام احادیث سے دریافت ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

ادیم، لخاف، کتف، عسیب، اقتاب، رقاع

یہ سب کیا چیزیں تھیں؟ اس کی قدرے وضاحت ضروری ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اشیا کتابت کے لیے بہت موزوں اور کاغذ کی بہ نسبت حوادث زمانہ کے مقابلے میں زیادہ پائدار تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہد صدیقی میں جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "تدوین ثانی" شروع کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی

۱: الجمعہ، س:۶۲، آیت:۵

سورتیں اور آیتیں ان کو بعینہٖ مل گئیں جن میں بعض تحریروں پر یقیناً ۲۳/برس کی مدت گزر چکی تھی۔

ادیم: عام طور سے اس کا ترجمہ چمڑا کیا جاتا ہے۔ مگر "ادیم" ہر چمڑے کو نہیں کہتے بلکہ یہ وہ چمڑا ہے جو دباغت کے بعد باریک کھالوں سے بنایا جاتا۔ اور عرب جیسے گوشت خور ملک میں بکثرت دست یابی کے باعث آسانی وفراوانی کے ساتھ کتابت کے کام میں لایا جاتا اس کی مثال ہمارے زمانے کے پارچمنٹ (Parch Ment) کی ہے۔

لخاف: لخفہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی پتھر بتائے جاتے ہیں مگر اس کی نوعیت عام پتھروں کی نہ تھی بلکہ یہ سفید رنگ کی چوڑی چوڑی تختیاں ہوتیں جو عمدگی سے بنتیں۔ اور کتابت میں استعمال ہوتیں جیسے موجودہ زمانے میں لکھنے کا سلیٹ ہوتا ہے۔ فرق صرف رنگ کا ہے۔

کتف: اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی وہ ہڈی، جو خاص انداز سے تراش کر نکالنے سے طشتری کی طرح بن جاتی --- یہ بھی اپنی صفائی وعمدگی کے باعث مصرف کتابت کے لیے موزوں ہوتی۔

عسیب: کھجور کی شاخوں میں تنے سے متّصل کشادہ حصے کو کہتے ہیں۔ جسے شاخ سے جدا کر کے خشک کر لیتے اور اس کے ٹکڑے لکھنے کے کام میں لاتے۔

اقتاب: اونٹ کے کجاووں کے چوڑے چوڑے پتلے پتلے تختوں کو کہتے ہیں جو کثرت استعمال کے باعث صاف اور چکنے ہوجانے کی وجہ سے بآسانی مصرف کتابت میں لائے جاتے۔

رقاع: چرمی پارچوں اور کاغذ یا پتے کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کتابت کے لیے استعمال ہوتے۔[1]

ا: اتقان وحاشیہ بخاری وغیرہ

https://alislami.net

عہد رسالت میں کتابۃً ترتیب قرآن کیوں نہ ہوئی؟

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ عہد رسالت میں سورتوں اور آیات میں کتابۃً ترتیب کیوں نہ ہوئی؟---اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس وقت نزول قرآن کی تکمیل ہی نہ ہوئی تھی تو ترتیب کیوں کر ہوتی۔ اور جب نزول کی تکمیل ہوئی تو اتنی مدت باقی نہ تھی کہ سب کی یک جا ترتیب ہو سکے۔

سب سے آخر میں وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ ۫ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۠ ﴿۲۸۱﴾ [1] نازل ہوئی جس کے بعد باختلاف روایات رسول اللہ ﷺ تین ساعات یا سات ایام یا نوراتیں یا اکیس روز دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان ہی اوقات وایام میں مرض وفات بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مدت اور یہ حالت اس عظیم کام کے لیے کافی نہ تھی---پھر رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بعض آیات منسوخ بھی ہوتیں اور جب نسخ کا امکان تھا تو ترتیب کیوں کر ہوتی۔ یوں ہی نزول قرآن اصل ترتیبِ آیات وسُوَر کے مطابق نہ ہوتا بلکہ حسب ضرورت ومصلحت مختلف مقامات کی متعدّد آیات، یا ایک آیت، یا جزو آیت، یا سورت، نازل ہوتی رہتی، پھر بالترتیب ان سب کی کتابت کیسے ہوتی؟ کسی سورہ میں پہلے کی آیات بعد میں، اور بعد کی پہلے نازل ہوتیں---یہی حال سورتوں کے نزول کا ہے---اب اگر نزول کے مطابق یک جا کتابت ہوتی جاتی تو ایک آیت کہیں اور اس سے متّصل دوسری آیت کہیں، یا آدھی آیت ایک جگہ، اور آدھی دوسری جگہ، یا اکثر آیت کسی مقام پر اور اس کا ایک جزو دوسرے مقام پر ملتا، نہ آیات کی تعیین ہو پاتی نہ ان کے معانی واحکام کی۔

اسی طرح جملہ سورتوں میں امتیاز قائم نہ ہوتا---ایک سورہ میں دوسری سورہ کی آیات، اور دوسری میں پہلی یا کسی اور سورہ کی آیات آجاتیں---جو سورہ پوری ایک ساتھ

۱: بقرہ، س:۲، آیت:۲۸۱، پ:۳

نازل ہوتی وہ تو متعیّن ہوجاتی، اور باقی سورتیں متعیّن ہی نہ ہوتیں، اس لیے نزول قرآن کے ساتھ صحیفہ یا مصحف کی شکل میں ترتیب قرآن کا امکان ہی نہ تھا۔

ترتیب نزول، ترتیب قراءت سے جدا کیوں؟

یہاں طبعی طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر قرآن، اصل ترتیب کے مطابق ہی، کیوں نہ نازل ہوا---اشارۃً اس کا جواب بارہا گزر چکا کہ نزول قرآن تدریجاً، اور ضرورت و مصلحت کے مطابق ہوتا، حکمت الٰہیہ مقتضی تھی کہ مثلاً پہلے اسلام وایمان کے اصول و مبادی اور کفر و شرک کی خرابیاں بیان ہوں تاکہ اولاً توحید و رسالت، اور ایمان و عقائد دلوں میں راسخ ہوجائیں پھر آیاتِ احکام کا نزول ہو۔ نفاذ احکام میں بھی یہ حکمت ملحوظ رکھی گئی کہ اگر تمام احکام تکلیفیہ ایک ساتھ نافذ کیے گئے تو عام لوگوں پر گراں ہوں گے۔ ان کے حقائق و تفصیلات اور مصالح و اسرار کا سمجھنا، یاد رکھنا، ان میں رسوخ حاصل کرنا بھی دشوار ہوگا۔ اس لیے آیات احکام بھی تدریجاً نازل ہوئیں۔

ہاں جب لاکھوں صحابہ کی ایک عظیم جماعت، عقائد اور احکام، اصول اور فروع، علوم اور اعمال میں راسخ ہوکر اگلے ادوار کے لیے نمونہ بن چکی، اور دین کی تکمیل ہوگئی تو انھیں دیکھ کر اور ان سے سیکھ کر بعد والوں کے لیے ایمان و عقائد میں صلابت، احکام و مسائل میں کمال، اور اعمال و علوم میں ثبات و رسوخ کی راہ کھل گئی اور پورے قرآن کو اس کی اصل ترتیب کے ساتھ سیکھنا، پڑھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ان کے لیے آسان ہوگیا۔

قران و حدیث اور تاریخ و سیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ عہد رسالت کے اواخر، اور زمانۂ خلفاو تابعین میں جو لوگ بھی داخل اسلام ہوتے، ان پر جملہ احکام دین کی پابندی ابتداءً ہی لازم ہوتی اور قبول اسلام کے ساتھ ہی وہ عقائد و اصول کی طرح تمام احکامِ

تکلیفیہ کے لیے بھی خود کو آمادہ و تیار پاتے۔

برخلاف اس کے اوائل نزول اور ابتدائے اسلام میں لوگوں کے لیے صرف قبول اسلام اور کلمۂ شہادت کی تصدیق، انتہائی مشکل اور دشوار تھی---آبائی دین کا بطلان قلب میں راسخ ہوگیا تو بھی قبول اسلام کے ساتھ کفار کے شدائد و مظالم کی برداشت کے لیے دل و دماغ کا آمادہ ہوجانا نہایت اہم مرحلہ تھا۔ ان حالات میں اگر ابتداءً احکام تکلیفیہ کا بھی نفاذ ہوتا تو کتنے افراد کے لیے یہ احکام ہی قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے۔

مختصر یہ کہ اسرار و حِکَم، ربط باہم، اور بے حد و نہایت معانی اور رموز پر مشتمل قرآنِ حکیم کی ایک اصلی ترتیب یقیناً تھی۔ وہی زمانۂ مابعد میں جاری ہوئی۔ اور اسی ترتیب پر یہ لافانی کتاب لوح محفوظ میں بھی ثبت تھی اور ہے۔ مگر اس کے مشتملات کے نزول، اور اس کے قوانین واحکام کے نفاذ کے لیے حکمت وضرورت اُسی طریقۂ تنزیل اور ترتیب نزول کی متقاضی تھی جو رب کریم کی طرف سے اس وقت عالم ظہور میں آئی۔

ہاں کتابۃً نہیں بلکہ حفظاً دور رسالت ہی میں قرآن کی اصل ترتیب بھی قائم ہوتی گئی اور یہ ترتیب قرآن کے دورۂ اخیر اور تکمیل نزول پر مکمل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ سے تحصیل کے بعد سینۂ حفاظ میں محفوظ رہی، ان ہی کے ذریعہ اس کی تعلیم و ترویج بھی ہوتی رہی----جب خلفائے کرام کا دور آیا تو قرآن کے حافظ حقیقی نے ان خلفا کے لیے صحیفوں اور مصحف کی شکل میں ترتیب قرآن کے داعیے پیدا کیے اور انھوں نے بتدریج اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ والذی انزل القرآن اعلم بمصالح عبادہٖ، و حِکَم کتابہ، و اسرار تنزیلہ۔

قرآن کی تدوین ثانی

اور

عہد صدیقی کی قرآنی خدمت

یہ بیان گزر چکا کہ عہد رسالت میں پورے قرآن کی کتابت ہو چکی تھی مگر اس وقت تک آیات قرآنیہ چرمی پارچوں، سنگی تختیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر اور غیر مرتب تھیں، مرتب اور یک جا اگر تھیں تو حفاظ کے سینوں میں ---مگر مسلمان ایک ایسے معرکے سے دوچار ہوئے کہ قرآن کی یک جا کتابت ناگزیر ہوگئی۔

تاریخ دانوں کو معلوم ہے کہ مسیلمۂ کذاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی میں دعوائے نبوت کر چکا تھا۔ وفات سید عالم ﷺ کے بعد جب بہت سے قبائلِ عرب اسلام سے منحرف ہوئے تو مسیلمہ بھی زور پکڑ گیا، اس کے شر وفتنہ کی مدافعت کے لیے ۱۱ھ میں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں کثیر جماعت صحابہ پر مشتمل ایک فوج بھیجی جس نے مسیلمہ اور اس کے حامیوں سے سخت معرکہ آرائی کی ---مسیلمہ خائب وخاسر ہوا اور قتل کیا گیا۔ تاریخ میں یہ معرکہ جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں قریبًا بارہ سو صحابۂ کرام شہید ہوئے، عینی ومرقات میں ہے کہ صرف حفاظ شہدا کی تعداد سات سو تک تھی---یہ تعداد اس زمانہ کے لحاظ سے کچھ بعید از قیاس نہیں کیوں کہ اس وقت صحابہ کی تعداد تقریبًا سوا لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ امور خیر میں ان کے معروف جذبۂ مسابقت، اور حفظ قرآن کی ضرورت، فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر اس دور میں ہزارہا ایسے افراد کا پیدا ہوجانا جنھیں پورا یا اکثر قرآن یاد ہو، کوئی بعید نہیں۔ ان حالات میں ایک عظیم جماعت سے

سات سو حفاظ کا شہید ہو جانا بالکل قرین قیاس ہے۔

بہر حال اس معرکہ میں حفاظ قرآن کی اتنی کثیر تعداد میں شہادت ہوئی کہ یہ ایک ایسا دل گداز واقعہ بن گیا جس نے صحابہ کے ارباب حل وعقد کو چونکا دیا۔ قرآن کی یک جا کتابت لازمی سمجھی گئی۔ اور خلافت اسلامیہ کی نگرانی میں قرآن کی تدوین ثانی کا کام شروع ہوا۔

امام احمد، امام بخاری، ترمذی، نسائی، ابن حبان، (فی الصحیح) طبرانی (فی الکبیر) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی داؤد (فی المصاحف) ابوداؤد طیالسی، ابن سعد، اور عدنی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تدوین ثانی کی تفصیل یوں روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا میں ان کے یہاں حاضر ہوا تو حضرت عمر بھی وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا "عمر نے مجھ سے آکر کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی شدید خوں ریزی ہوئی ہے مختلف معرکوں میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سارا قرآن (ان کے ساتھ ہی) چلا جائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ "جمع قرآن" کا حکم دیں۔ اس پر میں نے عمر سے کہا ہم کوئی ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا، عمر نے کہا ھو واللہ خیر بخدا یہ کام تو بہتر ہی ہے۔ عمر مجھ سے اس معاملے میں گفت وشنید کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے لیے اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا۔ اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں، صدیق اکبر نے مجھ سے فرمایا: تم عقل مند جوان ہو تم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے تم تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ تم تلاش و تتبُّع اور چھان بین کر کے قرآن جمع کرو۔ حضرت زید فرماتے ہیں:

فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنْ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ

خدا کی قسم! اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر جمعِ قرآن کی اہم ذمہ داری سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

میں نے عرض کیا، آپ حضرات ایک ایسا کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ صدیق اکبر نے جواب دیا "ھو واللّٰہ خیر" خدا کی قسم! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔

فَلَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتَّى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللّٰهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ

اس پر اُن سے میری گفت و شنید جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا۔

فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللخاف وَصُدُورِ الرِّجَالِ

تو تلاش و تتبع اور چھان بین کر کے میں درخت خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا۔

یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ " سے آخر سورہ تک (کل دو آیتیں) میں نے حضرت ابوخزیمہ انصاری [1] کے پاس پایا۔ ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ اس تدوین سے صحیفے تیار

1: بعض روایات میں خزیمہ بن ثابت ہے، مگر فتح الباری میں فیصلہ یہ کیا ہے کہ عہد عثمانی میں جن کے پاس آیت احزاب ملی وہ خزیمہ بن ثابت انصاری ہیں، اور عہد صدیقی میں آخر سورۂ توبہ جن کے پاس ملی وہ ابوخزیمہ بن اوس ہیں۔ علامہ قسطلانی نے بھی علامہ ابن حجر ہی کی تائید فرمائی اور بتایا ہے کہ یہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ نام دریافت نہ ہوا۔ علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی معروف بہ خازن اپنی تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: حدیث اول میں ابوخزیمہ بن اوس بن زید بن اصرم بن ثعلبہ بن عمر بن مالک بن نجار انصاری ہیں۔ جو بدر اور اس کے بعد کے غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے۔ خلافت عثمانی میں وفات پائی۔

ہوگئے (ہر سورہ ایک الگ صحیفے میں تھی اس طرح ہر سورہ کی تمام آیات یک جا ہوگئیں) یہ صحیفے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ان ہی کے پاس رہے، ان کے بعد حضرت عمر کے پاس آئے۔ ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہے۔ (۱)

تدوین ثانی کے خصائص

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کی تدوین اور آیات قرآن کی تحقیق و تفتیش اور تلاش و تتبع میں مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھے:

(۱) عہد رسالت کا کتابت شدہ قرآن جو چرمی پارچوں، سنگی تختیوں، اور دوسری چیزوں میں منتشر تھا، یک جا کرکے پیش نظر رکھا۔ یہ وہ اصل تھی جسے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے املا کرایا تھا، اور حسب روایتِ حضرت زید، بعد املا پڑھوا کر سنا تھا جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت تھی، اصلاح بھی فرمادی تھی۔

(۲) لوگوں کے پاس، صحیفوں، تختیوں، یا دوسری چیزوں میں جو مختلف نسخے اور اجزا تھے سب حتی الامکان جمع کرکے پیش نظر رکھے۔

(۳) ہر آیت کی تصدیق کم از کم دو حافظوں سے کرتے جاتے، مزید برآں خود بھی حافظ تھے۔

ان ہی کے پاس آخر سورۂ توبہ ملی۔ علامہ ابن عبدالبر نے یوں ہی ذکر فرمایا ہے۔ اور حدیث ثانی میں ابوعمارہ خزیمہ بن ثابت بن الفاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ خطمی اوسی انصاری ہیں جو صاحب شہادتین سے مشہور ہیں۔ بدر اور مابعد کے غزوات و مشاہد میں شریک ہوئے۔ جنگ صفین ۳۷ھ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، اسی میں اپنے حریف کے ہاتھوں وفات پائی۔

۱: بخاری، ج:۲، ص:۷۴۵ (حدیث نمبر ۴۶۷۹)/کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۷۹

اس عظیم اہتمام اور تفتیش وتحقیق کے ذکر میں حدیث مذکور کے علاوہ، اور بھی احادیث ہیں جن سے قدرے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدوین ثانی کتنی مشقت اور جاں فشانی کے ساتھ انجام دی گئی ہے۔ مثلاً

ابن ابی داؤد مصاحف میں ہشام بن عروہ سے راوی ہیں:

قال لما استحر القتل بالقراء فرق أبو بكر على القرآن أن يضيع، فقال لعمر بن الخطاب، ولزيد بن ثابت اقعدا على باب المسجد، فمن جاءكما بشاهدين على شيء من كتاب الله فاكتباه.[1]

وہ فرماتے ہیں جب قُرّا کی شدید خوں ریزی ہوئی۔ حضرت ابوبکر کو قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت زید بن ثابت سے فرمایا، دروازۂ مسجد پر بیٹھو تمھارے پاس جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصے پر دو گواہ لائے تو اُسے لکھ لو۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: رجاله ثقات مع انقطاعه یہ حدیث اگرچہ منقطع ہے مگر اس کے رجال ثقہ ہیں۔[2]

ابن سعد نے بھی بروایت ہشام بن عروہ ان کے والد سے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے۔[3]

ابن اشتہ نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کی ہے:

أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ أَبُو بَكْرٍ وَكَتَبَهُ زَيْدٌ وَكَانَ النَّاسُ يَأْتُونَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَكَانَ لَا يَكْتُبُ آيَةً إِلَّا بِشَاهِدَيْ عَدْلٍ وَإِنَّ

۱: کنزالعمال ج:۱، ص:۲۸۰، حدیث:۴۷۵۴

۲: اتقان، ج:۱، ص۶۰

۳: کنزالعمال، ج:۲، ص:۲۸۰

آخِرَ سُورَةِ بَرَاءَةٍ لَمْ تُوجَدْ إلا مع خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالَ: اكْتُبُوهَا فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ شَهَادَتَهُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ فَكُتِبَ.(۱)

حضرت ابوبکر نے سب سے پہلے قرآن جمع کیا، اور حضرت زید نے لکھا، لوگ حضرت زید بن ثابت کے پاس آتے، تو وہ دو عادل کے بغیر کچھ نہ لکھتے، ہاں سورہ براءت کا آخری حصہ (دو آیتیں) صرف حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس ملا، تو (حضرت ابوبکر نے) فرمایا اسے لکھ لو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی ہے۔ چناں چہ وہ لکھ لیا گیا۔

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ابن شہاب زہری سے مروی ہے:

قَالَ: لَمَّا أُصِيبَ الْمُسْلِمُونَ بِالْيَمَامَةِ فَزِعَ أَبُو بَكْرٍ وَخَافَ أَنْ يَذْهَبَ مِنَ الْقُرْآنِ طَائِفَةٌ فَأَقْبَلَ الناس بما كان مَعَهُمْ وَعِنْدَهُمْ حَتَّى جُمِعَ عَلَى عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ فِي الْوَرَقِ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَوَّلَ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ فِي المصحف.(۲)

جب مسلمان یمامہ میں شہید ہوئے تو حضرت ابوبکر گھبرائے اور انھیں اندیشہ ہوا کہ قرآن کا کوئی حصہ چلا نہ جائے۔ تو لوگوں نے وہ سب پیش کیا جو انھیں یاد تھا، یا ان کے پاس تھا، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن اوراق میں جمع ہو گیا تو ابوبکر وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن مصحف میں جمع کیا۔

حضرت حارث محاسبی، کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ اعتماد کیوں کر پیدا ہو سکا کہ لوگ چرمی پارچوں میں جو کچھ پیش کر رہے ہیں یا زبانی جو کچھ

۱: اتقان ج:۱، ص:۶۰، نوع:۱۸

۲: اتقان ج:۱، ص:۶۰، نوع:۱۸

سنا رہے ہیں یہ سب قرآن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک کلام معجز اور نظم معروف پیش کرتے جس کی تلاوت ذمہ دارانِ تدوین نے خود نبی کریم ﷺ سے سنی تھی، اس لیے غیر قرآن کو (قرآن بنا کر) غلط طور پر پیش کرنے کا خدشہ نہ تھا۔ اندیشہ بس یہ تھا کہ ان صحیفوں سے کچھ ضائع نہ ہوا ہو۔ (۱)

آخر براءت کی دو آیتیں

روایات میں آیا ہے کہ آخر براءت کی دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ کے پاس ملیں اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے اور غیر متواتر ہے۔ علامہ ابن حجر وغیرہ متعدّد ائمۂ فن بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں یقیناً دوسرے حضرات کو بھی یاد تھیں مگر تحریری شکل میں صرف حضرت خزیمہ کے پاس تھیں۔

روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ اپنے رسالہ "تفسیر لقد جاءکم الخ" میں فرماتے ہیں:

واخرج ابو داؤد عن أبی الدرداء موقوفا وابن السنی عنه مرفوعا من قال حین یصبح ویمسی حسبی اللّٰه، لا إله إلا هو علیه توکلت وهو رب العرش العظیم، سبع مرات، کفاه اللّٰه ما أهمه، من امر الدنیا والآخره۔ (۲)

ابو داؤد نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً اور ابن السنی نے ان ہی سے مرفوعاً روایت کی (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں) جو شخص صبح و شام (حسبی اللّٰه، لا إله إلا هو علیه توکلت وهو رب العرش العظیم) سات بار پڑھے اللہ تعالیٰ ہر مشکل دنیا و آخرت میں اس کی کارسازی فرمائے۔

۱: اتقان، ج:۱، ص:۶۰، نوع:۱۸

۲: رسالہ منقولہ در اکلیل حاشیہ مدارک التنزیل، ج:۴، ص:۳۱۵

حسبی اللہ لَا الٰہ الا ھو الآیۃ۔ ان دو آیتوں میں سے ایک ہے۔ جب حضرت ابوالدرداء اس کے راوی ہیں توان کی یاد میں بلاشبہ یہ آیت تھی پھر جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اس آیت کا وظیفہ بتایا تھا تو یہ آیت بہت سے ان لوگوں کو بھی یاد رہی ہوگی جو پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔ پھر یہ خیال کیوں کر درست ہوسکتا ہے کہ آخر براءت کی دونوں آیتیں حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کسی کو یاد بھی نہ تھیں اور بعض قرآن آحاد سے لیا گیا ہے۔

مسند امام احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حارث بن خزیمہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ دو آیتیں (لقد جاءکم الخ) پیش کیں حضرت عمر نے فرمایا تمھارے ساتھ اس پر دوسرا شاہد کون ہے؟ انھوں نے کہا:

لاادری، وواللہ انی اشھد لسمعتھما من رسول اللہ ﷺ ووعیتھما وحفظتھما فقال عمر وانا اشھد لسمعتھما من رسول اللہ ﷺ۔ [1]

مجھے معلوم نہیں مگر خدا کی قسم میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ دونوں آیتیں رسول اللہ ﷺ سے سنی، سمجھی اور یاد رکھی ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ آیتیں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن خزیمہ ایک دوسرے صحابی ہیں، انھیں بھی یہ آیتیں یاد تھیں، فاروق اعظم کو بھی، اس طرح حضرت خزیمہ، حارث بن خزیمہ اور فاروق اعظم کو ان آیات کا یاد ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔

ایک روایت سے حضرت عثمان کو اور ایک روایت سے حضرت ابی بن کعب کو بھی

۱: قسطلانی، ج:۷، ص:۱۳۱

https://alislami.net

یاد ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔ (۱)

اگر دقّت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان روایات سے عدم تواتر کا غلط نتیجہ نکالنا صرف کوتاہ اندیشی کی پیداوار ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ تدوین ثانی کی غرض وغایت کیا تھی؟ اور اس تحقیق و تفتیش، دو شاہدوں کی تلاش، مکتوبہ اجزا کی چھان بین کا مقصد کیا تھا؟

کیا حضرات جامعین کو قرآن یاد نہ تھا؟ ان کے پاس قرآن کی تدوین اول نہ تھی؟ یا کچھ آیات قرآنیہ کا انھیں کوئی علم نہ تھا؟ لہٰذا شہادتوں اور قرائن کے ذریعہ ان آیات کی قرآنیت کا اثبات انھیں مطلوب تھا؟ ہرگز نہیں! اگر اثبات قرآنیت ان کا مقصد ہوتا تو وہ کثرت حفاظ کے باوجود صرف دو شاہدوں پر اکتفا کیوں کرتے؟ ثبوت قرآنیت کے لیے تو عدد تواتر شرط ہے۔ ایک مدعی، دو شاہد، کل تین آدمیوں سے بھلا کس کے نزدیک عدد تواتر پورا ہوتا ہے؟ اگر ثبوت قرآنیت فراہم کرنا ہی ان کا مقصود ہوتا تو وہ ہر آیت پر ایک جماعت کثیرہ کی شہادت طلب کرتے، اور کثرت حفاظ کے باعث ان کو ہر آیت پر بکثرت گواہ مل بھی جاتے۔ مگر کسی روایت میں نہیں ملتا کہ انھوں نے جماعت کثیرہ کی شہادت حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔

پھر کیا انھیں کسی آیت کی قرآنیت سے متعلق کوئی شبہہ تھا جس کے ازالے کے لیے انھوں نے دو تین آدمیوں کی گواہی کافی سمجھی؟ ایسا بھی نہیں۔ تدوین ثانی میں ایسا کوئی مقصد کار فرمانہ تھا۔ قرآن تو عہد رسالت ہی میں متواتر تھا، ہزاروں حفاظ پیدا ہو چکے تھے حضرت زید، فاروق اعظم اور صدیق اکبر خود حافظ تھے۔ انھیں جو کچھ یاد تھا (یعنی پورا قرآن) اس کی تلاوت خود جناب رسالت مآب علیہ الصلاۃ والتسلیم سے سن چکے تھے۔ ان کی املا کرائی ہوئی یادداشتیں ان کے پیش نظر تھیں۔ ناسخ و منسوخ سے وہ اچھی طرح

۱: ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج:۷، ص:۱۳۱

باخبر تھے۔ ہر آیت کی قرآنیت کا انھیں یقینی و قطعی علم حاصل تھا، اس لیے اپنے کسی شک کے ازالے یا کوئی "نیا تواتر" فراہم کرنے کی ہرگز انھیں کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

تدوین ثانی کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن کا ایک نسخہ مجتمع شکل میں تیار ہو جائے اور وقت ضرورت وہ مرجع و معتمد بن سکے، اس کے لیے منتشر اجزا کو یک جا کر کے ترتیب سے لکھ لینا کافی تھا، اور دو شاہدوں کی تلاش، تفتیش و تحقیق، دوسرے نوشتوں کی چھان بین محض اطمینان کلی، احتیاط مزید اور تنقیح کامل کے لیے تھی- لہٰذا ذمہ دارانِ جمع و تدوین اگر کسی آیت متواتر کو بغیر کسی شہادت کے لکھ لیتے تو بھی ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

شک نیست کہ قرآن معلوم بود بالقطع والیقین و معروف بود نزد ایشاں متمیز از ماسوائے خود و مجمع علیہ میان ہمہ --- نہ آنکہ مشتبہ بود، و چیزے ازاں نزد بعضے بود کہ مردم دیگر آنرا نمی شناختند یا منکر بودند قرآنیت آنرا، و اثبات می کردند آنرا بحلف و شہادت --- حاشا و کلا می دانستند آنرا بتالیف معجز و نظم معروف، و بہ تحقیق مشاہدہ کردند تلاوت آنرا از آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدت بیست و سہ سال و یاد داشتند مجموع آں را جمعے از صحابہ پس از خلط چیزے کہ نہ از قرآن است مامون بودند و ایں تحقیقات و تفتیشات برائے تقریر و تاکید بود کہ اصل و معتمد آن بود۔ (۱)

"اس میں شک نہیں کہ قرآن قطعیت اور یقین کے ساتھ معلوم تھا اور ان کے نزدیک غیر قرآن سے ممتاز، سب کا جانا پہچانا اور سب کا اجماعی و متفق علیہ تھا، ایسا نہیں کہ مشتبہ رہا ہو، یا کسی کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ایسا تھا جس سے دوسرے حضرات ناآشنا یا اس کی قرآنیت کے منکر تھے اور حلف و شہادت سے اس کا ثبوت فراہم کر رہے تھے۔

۱: اشعۃ اللمعات، ج۲، ص: ۱۶۲، طبع نہم ۱۹۶۳ء، مطبع منشی نیج کمار لکھنؤ

حاشا وکلا! ایسا ہرگز نہیں بلکہ قرآن کو تو یوں بھی اس کی معجزانہ تالیف اور معروف نظم سے جانتے تھے اور تیئیس سال کے عرصے سے رسول اللہ ﷺ سے اس کی تلاوت کی سماعت اور اس کا تحقیقی مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ مزید برآں صحابہ کرام میں ایک جماعت پورے قرآن کی حافظ موجود تھی۔ اس لیے وہ اس بات سے مامون تھے کہ کوئی آدمی کسی غیر قرآن کو قرآن سے مخلوط کر سکے، یہ ساری تحقیقات و تفتیشات صرف اس کی تائید و تاکید کے لیے تھیں جو ان کی اصل و معتمد تھی۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل روایات واقوال کے بعد فرماتے ہیں:

وَالْحَاصِلُ أَنَّهُمْ مَا جَمَعُوا إِلَّا بَعْدَ مَا ثَبَتَ عِنْدَهُمْ بِالدَّلِيلِ الْقَطْعِيِّ لَفْظُهُ، وَبِالدَّلِيلِ الظَّنِّيِّ كِتَابَتُهُ[1]

حاصل یہ کہ انھوں نے تدوین و کتابت اسی وقت کی جب ان کے پاس دلیل قطعی سے لفظ کا اور دلیل ظنی سے کتابت کا ثبوت ہو گیا۔

یعنی آیات قرآنیہ کا ثبوت تواتر اور دلیل قطعی سے تو انھیں حاصل ہی تھا۔ مزید برآں تنقیح سے کام لیا، پھر کتابت شدہ اجزا کوئی پیش کرتا تو اس کے لیے بھی دو شاہد تلاش کرتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ یہ حصہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھا گیا ہے یا سرکار کی املا کردہ یادداشتوں ہی سے اسے نقل کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ کتابت پر بھی دلیل ظنی فراہم کر لیتے۔

پھر یہ اعلان کہ "جس کے پاس جو کچھ قرآن حفظ یا تحریر کی صورت میں ہو لے آئے" میری نظر میں غرض تقریر و تاکید کے علاوہ ایک اور حکمت پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ آئندہ زمانوں میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ میرے پاس ایک یا چند آیات قرآنیہ تھیں جن کی کتابت ان صحیفوں میں نہ ہو سکی، لہٰذا یہ صحائف ناقص ہیں۔ اس اعلان اور اس پر

۱: مرقاۃ، ج:۲، ص:۶۲۸

عمل کے باعث یہ خدشہ جاتا رہا۔ جس کے پاس جو کچھ تھا پیش کر دیا اور اطمینان ہو گیا کہ اب آئندہ کوئی بنیاد دعویٰ نہ ہو گا۔ اگر کسی نے دعویٰ کیا تو اس پر خود ہی الزام عائد ہو جائے گا کہ تم نے عہد تدوین میں اپنا بیان کیوں نہیں پیش کیا، اور قرآن کریم کے معاملے میں سستی اور مساہلت کیوں اختیار کی؟

اور دو شاہدوں کی شرط اس لیے رکھی گئی کہ پیش کرنے والا بھی محتاط ہو کر پیش کرے، اگر صرف ایک آدمی کا بیان کافی قرار دیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی شخص ایسا کوئی حصہ لے آئے جس کے متعلق اس کا گمان غالب ہو کہ یہ قرآنِ غیر منسوخ ہے۔ اور در حقیقت وہ سرے سے قرآن ہی نہ ہو یا ہو تو منسوخ ہو۔ اس شرط کے پیش نظر اب اگر کوئی پیش کرتا تو قطعیت اور یقین کے ساتھ، اور وہ بھی جب اپنے موافق دو گواہ پالیتا، اور جو شخص اپنی یاد داشت پر دو گواہ بھی نہ پاتا اسے خود ہی اس بات کا احساس واعتراف ہو جاتا کہ واقعۃً یہ اگر آیت قرآنی ہوتی تو ہزاروں صحابہ میں سے کم از کم دو آدمی تو میرے مؤید ضرور مل جاتے۔ جب اور کوئی اسے آیت قرآنی نہیں کہتا تو یقیناً یہ میرے ہی حفظ وظن کی خطا ہے۔

علاوہ ازیں دو شاہدوں کی شرط والے عام قانون کے باعث ہر بیان کی تنقید و تنقیح سہل ہو گئی، کوئی عظیم شخصیت بھی اپنے بیان پر دو شاہد نہ پیش کر سکی تو قانون عام کے تحت اسے رد کرنے میں جامعین کو کوئی تکلف نہ تھا، نہ اس شخصیت کو اپنے بیان کے عدم قبول پر کسی ردّوکد کی گنجائش۔

الغرض صحابہ کرام اس طرز تنقیح کے باعث آئندہ کے کسی ادعاے مبنی بر ظن و سہو سے "اصولی طور پر" مامون و مطمئن ہو گئے۔ اور مدعیان نقص کے فتنوں کی بھی اسی دور میں قانونی پیش بندی ہو گئی۔ البتہ عناد محض کا کسی دور میں کوئی علاج تجویز نہ ہو سکا۔

کیا تدوین ثانی بدعت ہے؟

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کی جو خدمت انجام دی ہے اس پر بعض روافض کو یہ اعتراض سوجھا ہے کہ ان کے لیے وہ کام کیسے روا ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟

پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے جو کچھ کیا اس جائز و مستحسن اجتہاد کے پیش نظر کیا جو اللہ کی کتاب، اس کے رسول، ائمہ مسلمین اور عام مومنین کے لیے بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت تھا، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتابت قرآن کی اجازت دی، اور اس کے ساتھ غیر قرآن کو لکھنے سے منع فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکر نے کوئی نئی چیز نہ لکھوائی بلکہ اسی کو لکھنے کا حکم دیا جو عہد رسالت میں لکھا جا چکا تھا جبھی تو حضرت زید نے یہاں تک احتیاط برتی کہ آخر براءت کی آیتیں اس وقت تک نہ لکھیں جب تک انھیں تحریری شکل میں نہ ملیں، حالاں کہ یہ آیتیں خود انھیں اور دوسرے لوگوں کو یاد تھیں۔ مزید فرماتے ہیں:

وَإِذَا تَأَمَّلَ الْمُنْصِفُ مَا فَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ مِنْ ذَلِكَ جَزَمَ بِأَنَّهُ يُعَدُّ فِي فَضَائِلِهِ وَيُنَوِّهُ بِعَظِيمِ مَنْقَبَتِهِ لِثُبُوتِ قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" فَمَا جَمَعَ الْقُرْآنَ أَحَدٌ بَعْدَهُ إِلَّا وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.[1]

اگر صاحب انصاف حضرت ابوبکر کا عملِ تدوین نگاہ غور سے دیکھے تو قطعًا یہ فیصلہ کرے گا کہ یہ تدوینِ قرآن ان کے فضائل میں شمار کی جائے گی۔ اور یہ تو ان کے عظیم فضل و کمال کا اعلان کر رہی ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جس نے

1: فتح الباری، ج:۹، ص:۱۰

اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسے اس ایجاد کا ثواب اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ملے گا"۔[1] لہٰذا صدیق اکبر کے بعد روز قیامت تک جو بھی جمع قرآن کا کام کرے حضرت صدیق کو اس کا اجر ملتا رہے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورۃ الصدر تفصیل سے بھی واضح ہے کہ اس اعتراض کا جواب تو اسی وقت دے دیا گیا جب فاروق اعظم نے اس کے جواز پر یوں استدلال کیا کہ "ھو واللہ خیر" صدیق اکبر نے بھی یہی فرمایا **بخدا کام تو اچھا ہی ہے**۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ جو کام اچھا ہو کسی دور میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں:

وَدَلَّ ذَلِكَ عَلَى أَنَّ فِعْلَ الرَّسُولِ إِذَا تَجَرَّدَ عَنِ الْقَرَائِنِ وَكَذَا تَرْكُهُ لَا يَدُلُّ عَلَى وُجُوبٍ وَلَا تَحْرِيمٍ[2]

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی دلیلِ قرینہ موجود نہ ہو تو فعل رسول سے وجوب اور ترک سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

منکرینِ فضائل اعمال خیر میں اسی طرح کے شیطانی خیالات واعتراضات پیش کیا کرتے ہیں۔ ورنہ ابھی آپ نے مسلم شریف کی حدیث ملاحظہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے نیک کاموں کی ایجاد اور ان پر عمل کرنے کی اجازت بلکہ ترغیب دی ہے۔

بہر حال جمع قرآن صدیق اکبر کا زبردست کارنامہ اور امت مسلمہ پر ان کا احسان عظیم ہے جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل ومحاسن میں شمار کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تدوین قرآن میں حضرت صدیق اکبر کی

۱: مسلم شریف، ج:۱، ص:۳۲۷ باب الحثّ علی الصدقۃ

۲: فتح الباری، ج:۹، ص:۱۰

فضیلت واولیت کا برملا اعتراف کیا ہے۔

ابن سعد، ابویعلیٰ (مسند میں) ابونعیم (معرفہ میں) حیثمہ ابن ابی داؤد (فضائل الصحابہ فی المصاحف میں) اور ابن مبارک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن راوی ہیں:

قال أَعْظَمُ النَّاسِ فِي الْمَصَاحِفِ أَجْرًا أَبُو بَكْرٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَى أَبِي بَكْرٍ هُوَ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ كِتَابَ اللّٰهِ[1]

مصاحف میں سب سے زیادہ عظیم اجر حضرت ابوبکر کا ہے، ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی۔

1: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۷۹/فتح الباری، ج:۹، ص:۹

عہد عثمانی اور قرآن کی تدوین ثالث

اختلاف لغات

جیسے اردو کے بعض محاورات والفاظ میں خود فصحائے اہل زبان کا اختلاف ہے اسی طرح مختلف قبائل عرب کا عربی زبان میں بہت کچھ اختلاف تھا، مثلاً جس کلمہ مضارع کا عین ماضی میں مکسور ہو اس کی علامات مضارع ا ت ن کو غیر اہل حجاز کسرہ دیتے۔ اسی طرح علامت مضارع ی -کو جب کہ اس کے بعد کوئی دوسری یا ہو۔ اس لیے وہ تَعْلَم کو تِعْلم ، يَيْقَظُ کو يِيْقَظُ بولتے۔[1]

بنی ہُذیل حتّیٰ کو عتّٰی کہتے۔ اہل مدینہ کے یہاں تابوت کا تلفظ تابُوہ تھا۔ بنی قیس کاف تانیث کے بعد ش بولتے۔ ضربَکِ کی بجائے ضَرَبَكِش کہتے۔ اس طریق تلفظ کو کشکشۂ قیس سے تعبیر کیا جاتا۔ بنی تمیم ''اَن'' ناصبہ کو ''عن'' کہتے اسی طرح ان کے نزدیک ''لیس'' کے مشابہ ''ما ولا'' مطلقاً عامل نہیں۔ ''ماھذا بشرا'' ان کے لغت پر ''ماھذا بشرٌ'' ہوگا۔ اس طرح کے بہت سے اختلاف تھے۔

یوں ہی طرز ادا مثلاً تفخیم و ترقیق (پُر اور باریک پڑھنا) ادغام، اظہار، امالہ، تحقیقِ ہمزہ، تخفیف ہمزہ وغیرہ میں اختلاف تھا۔

قرآن کریم پہلے ایک زبان، زبانِ قریش میں نازل ہوا، جیسا کہ حضرت عثمان کی حدیث میں آرہا ہے۔ اور فاروق اعظم کے ارشاد سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ ابن الانباری نے وقف میں، ابوداؤد نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو ''لَيَسجُنُنَّهٗ عَتّٰی

ا: شرح کافیہ للرضی ص:۱۸۷، ج:۲، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۲۷۹ھ

https://alislami.net

حِينَ'' پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا تمہیں یہ کس نے پڑھایا؟ عرض کیا حضرت ابن مسعود نے فاروق اعظم نے اس کی اصلاح فرمائی ''لَيَسْجُنُنَّهُ حَتّٰى حِيْنَ'' پھر حضرت ابن مسعود کو خط لکھا:

سلام عليك أما بعد: فإن الله تعالى أنزل القرآن، فجعله قرآنا عربيا مبينا، وأنزل بلغة هذا الحي من قريش، فإذا أتاك كتابي هذا فأقرئ الناس بلغة قريش، ولا تقرئهم بلغة هذيل.[1]

تمہیں بعد سلام معلوم ہو کہ اللہ نے قرآن نازل فرمایا تو اسے ''قرآن عربی مبین'' فرمایا۔ اور اس قبیلۂ قریش کی زبان میں اتارا، تو میرا یہ خط پانے کے بعد تم لوگوں کو زبانِ قریش کے مطابق قرآن پڑھاؤ۔ قبیلۂ ہذیل کی زبان میں نہ پڑھاؤ۔

مگر ابتداءً جب کہ مختلف قبائلِ عرب اسلام میں نئے نئے داخل ہو رہے تھے، اور ان میں بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، خواندہ، ناخواندہ سبھی تھے، تو ایسی حالت میں سب کے لیے زبان قریش کی پابندی، اپنے قبیلے کی زبان اور طریق ادا کا ترک بہت دشوار تھا اگر سب کے لیے یہ پابندی لگا دی جاتی تو بہت کم لوگ قرآن سیکھ پاتے۔ حالاں کہ احکام دین کی اشاعت کے پیش نظر قرآن کی بھی تعلیم واشاعت ضروری تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے خداوند کریم سے دعائے تسہیل کی۔ فرماتے ہیں:

ارسلَ إليّ ان أقرأ القرآن على حرف فرددت إليه ان هون على امتى فرد إلى الثانية اقرأه على حرفين فرددت إليه ان هون على امتى فرد إلى الثالثة اقرأه على سبعة احرف ولك بكل ردة رددتكها مسألة تسألنيها فقلت اللهم اغفر لامتي اللهم اغفر

1: کنز العمال، ج:۱، ص:۲۸۵/ فتح الباری، ج:۹، ص:۷ بحوالہ ابوداؤد

لامتي واخرت الثالثة ليوم يرغب إلى الخلق كلهم حتى ابراهيم عليه السلام.[1]

باری تعالیٰ کی طرف سے مجھے پیغام ملا کہ ایک حرف (زبان) پر قرآن پڑھوں۔ میں نے بارگاہ ایزدی میں رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما، دوسری بار جواب ملا، دو زبانوں پر پڑھو، میں نے پھر اس کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما، تیسری بار جواب آیا، سات زبانوں پر پڑھو اور ہر بار کی مراجعت و جواب کے بدلے تمہیں مجھ سے ایک دعا کرنے کا حق دیا جاتا ہے (جو قبول ہوگی تو تین بار کے بدلے تین دعا اور اس کی مقبولیت حضور کو دی گئی) میں نے عرض کیا خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما، خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما، اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے اٹھا رکھی جس دن ساری مخلوق میری مشتاق (اور میری شفاعت کی طالب) ہوگی۔ یہاں تک کہ (ذوالعزم پیغمبر) حضرت ابراہیم علیہ السلام (جو بعد سرور کائنات تمام انبیاورسل سے افضل ہیں۔ علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انزل القرآن على سبعة احرف[2]

قرآن سات حرفوں (زبانوں) پر نازل فرمایا گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ: الْجُمْلَةُ الْأُولَى جَاءَتْ مِنْ رِوَايَةِ أَحَدٍ وَعِشْرِينَ صَحَابِيًّا، وَمِنْ ثَمَّ نَصَّ أَبُو عُبَيْدٍ عَلَى أَنَّهَا مُتَوَاتِرَةٌ، أَيْ مَعْنًى، وَاخْتَلَفُوا فِي مَعْنَاهَا عَلَى أَرْبَعِينَ قَوْلًا.[3]

۱: مسلم شریف، ج:۱، ص:۲۷۳
۲: مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ثانی
۳: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱، ص:۲۴۳

علامہ ابن حجر نے فرمایا: حدیث کا پہلا جملہ (عبارت مذکورہ) اکیس صحابہ سے مروی ہے، اسی وجہ سے ابوعبید نے نص فرمایا ہے کہ یہ حدیث معنیً متواتر ہے۔ اور اس کے معنی کی تعیین میں چالیس مختلف اقوال ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اکثر برانند کہ مراد بآن ہفت لغت است کہ در عرب مشہور است و مشہود بفصاحت بودند وآں لغت قریش و طے، و ہوازن و اہل یمن و ثقیف و ہذیل و بنی تمیم است۔ (۱)

"اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد وہ سات زبانیں ہیں جو عرب میں مشہور تھیں اور جن کے فصیح ہونے کی شہادت موجود ہے۔ وہ قریش، طی، ہوازن، اہل یمن، ثقیف، ہذیل، اور بنی تمیم کی زبانیں ہیں۔"

اذنِ باری مل جانے کے بعد لوگوں کو ان سات زبانوں پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان زبانوں پر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے، اسی لیے عہد رسالت میں متعدّد واقعات اس طرح کے پیش آئے کہ ایک شخص کی قراءت کو دوسرا شخص اپنی قراءت کے مخالف پاکر اس سے بحث کر بیٹھا، اور معاملہ بارگاہ رسالت تک پہنچا تو سرکار نے دونوں کی تصدیق فرماکر بتایا کہ قرآن کی تلاوت میں رخصت اور آسانی دی گئی ہے۔

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان کی قراءت کرتے ہوئے سنا، اُن کی قراءت اُس کے مخالف تھی جو میں پڑھتا تھا اور جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پڑھایا تھا۔ (اس لیے یہ مخالف قراءت سن کر مجھے غصہ آیا) اور قریب تھا کہ میں ہشام پر جلدی کروں، پھر میں نے انھیں اتنی مہلت دی کہ وہ نماز سے فارغ ہوگئے، پھر ان کے گلے میں ان کی چادر ڈالے ان کو پکڑ کر رسول اللہ

۱: اشعۃ اللمعات، ۱:۱، ص:۱۶۶

ﷺ کے پاس لایا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے اس سے سنا کہ وہ سورہ فرقان اس قراءت کے خلاف پڑھ رہا ہے جو آپ نے مجھے پڑھائی ہے۔ سرکار نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، اُن سے فرمایا پڑھو، انھوں نے پھر اسی طرح پڑھا جس طرح پڑھتے ہوئے میں ابھی سن چکا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوں ہی نازل ہوئی ہے پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو! میں نے بھی پڑھا تو فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.(۱)

یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے تو جو آسان ہو پڑھو۔

ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

اس طرح کا واقعہ متعدّد صحابہ کے درمیان پیش آیا۔ حضرت عمر وہشام ہی کی طرح ابی بن کعب کا عبداللہ بن مسعود کے ساتھ سورہ نحل میں حضرت عمرو ابن العاص کا ایک آیت قرآنی میں ایک اور شخص کے ساتھ، اور حضرت ابن مسعود کا آل حم کی ایک سورہ میں ایک شخص کے ساتھ اختلاف ہوا۔(۲)

واضح رہے کہ زبانوں کے اختلاف سے اصل معانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی، سب کے معنی ایک تھے، جلیل القدر تابعی حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے:

بَلَغَنِي أَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْأَحْرُفَ إِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْرِ تَكُونُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ.(۳)

مجھے خبر ملی ہے کہ یہ ساتوں زبانیں دین کے معاملہ اور حکم میں ایک ہوتیں، ان میں کسی حلال و حرام کا اختلاف نہ تھا۔

۱: بخاری، ج:۲، ص:۷۴۷/مسلم بالفاظہ ج:۱، ص: ۲۷۲، مسند امام احمد، ج:۱، ص:۷۶۶/ تفسیر ابن جریر ج:۱، مقدمہ

۲: بحوالہ مسند احمد وابن حبان وحاکم- قسطلانی ج:۷، ص:۳۶۱

۳: بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف، ج:۱، ص:۱۹۲

مرقات میں ہے:

قَالَ كَثِيرُونَ مِنَ الْأَئِمَّةِ: إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ أَيْ جَوَازُ تَغْيِيرِ اللَّفْظِ بِمُرَادِفِهِ رُخْصَةً لِمَا كَانَ يَتَعَسَّرُ عَلَى كَثِيرٍ مِنْهُمُ التِّلَاوَةُ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ لِعَدَمِ عِلْمِهِمْ بِالْكِتَابَةِ وَالضَّبْطِ وَإِتْقَانِ الْحِفْظِ، فَالْقُرَشِيُّ يَشُقُّ عَلَيْهِ تَخْفِيفُ الْهَمْزَةِ، وَالْيَمَنِيُّ تَرْكُهُ، فَلِذَلِكَ سُهِّلَ عَلَى كُلِّ قَبِيلَةٍ أَنْ تَقْرَأَ بِلُغَتِهَا، ثُمَّ نُسِخَ بِزَوَالِ الْعُذْرِ وَتَيْسِيرِ الْكِتَابَةِ وَالْحِفْظِ. قُلْتُ: وَفِيهِ إِيمَاءٌ إِلَى الْمُعْتَمَدِ مِنْ مَذْهَبِنَا أَنَّ الْمُصَلِّيَ إِذَا قَرَأَ مَا لَمْ يُغَيِّرِ الْمَعْنَى لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ.[1]

بہت سے ائمہ نے فرمایا ہے کہ لفظ کو اس کے ہم معنی لفظ سے تبدیل کرنے کا جواز صرف ایک رخصت تھی، اس بنا پر کہ بہت سے لوگوں کے لیے ایک ہی لفظ کی تلاوت مشکل تھی، کیوں کہ کتابت، ضبط اور پختگی حفظ کا طریقہ وہ نہیں جانتے تھے۔ قرشی پر تخفیف ہمزہ اور یمنی پر ترک تخفیف شاق تھا، اسی لیے اپنی زبان ولغت میں قراءت کی آسانی بخشی گئی، پھر جب کتابت وحفظ کی سہولت ہوگئی اور عذر جاتا رہا تو یہ رخصت نہ رہی، میں کہتا ہوں اس میں ہمارے مذہب کے اس قول معتمد کا اشارہ ملتا ہے کہ اگر مصلی سے ایسی قراءت ہوگئی جس سے معنی نہ بدلے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

اباحت مذکورہ کی نوعیت یہ نہ تھی کہ آدمی "اپنی خواہش کے مطابق" کلمہ کو اس کے مرادف سے بدل لے، بلکہ معاملہ رسول اللہ ﷺ سے سماع پر موقوف تھا، جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے، انھوں نے فرمایا: "اقرأنی النبی ﷺ مجھے نبی ﷺ نے (ایسا) پڑھایا"۔

۱: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، ج:۱، ص:۲۴۴

اور اگر ہم یہی مان لیں کہ ہم معنی لفظ سے تبدیلی کی عام اجازت تھی، اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے سماع حاصل نہ ہو تو بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب صحابۂ کرام کا اس قراءت پر اجماع ہو گیا جو قرآن کے آخری دورۂ رمضان میں ثابت رہی تو اب وہ اباحتِ تبدیل ختم ہو گئی۔ (۱)

البتہ یہ بات تنقیح طلب ہے کہ عہد رسالت ہی میں اباحت تبدیل ختم اور ایک لغت پر قراءت قرآن کی پابندی ہو گئی یا بعد میں ہوئی، بعض علما اس کے قائل ہیں کہ عہد عثمانی میں پابندی ہوئی، اور اکثر علما کا قول یہ ہے کہ عہد رسالت ہی میں پابندی ہو گئی تھی، اسی کو قاضی ابوبکر بن الطیب، علامہ ابن عبدالبر، علامہ ابن العربی وغیرہم نے اختیار کیا ہے۔ کیوں کہ ابتدائے امر میں جب اختلاف لغات کے باعث لوگوں کے لیے ایک طریقہ اور ایک لغت کی پابندی دشوار تھی تو ہر ایک کو اپنے طریقۂ لغت پر تلاوت کی رخصت دی گئی، پھر جب معاملہ ضبط کے تحت آگیا، زبانوں کی مشق ہو گئی اور ایک طرز لغت کی پابندی پر لوگ قابو پا گئے تو عہد رسالت کے آخری رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ "دوبار" دورۂ قرآن کیا، اور دورۂ اخیر کی قراءت پر معاملہ ثابت و مستقر ہو گیا تو خدا ہی کی طرف سے اسی طرز مقرر کی پابندی واجب اور گزشتہ رخصت ختم کر دی گئی۔ (۲)

فاروق اعظم کا حضرت ابن مسعود کو قراءت ہذیل سے باز رکھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سابقہ رخصت ختم، اور زبان قریش کی پابندی لازم ہو چکی تھی مگر حضرت ابن مسعود کو خبر نہ تھی۔ اس لیے فاروق اعظم نے ان کو متنبہ فرمایا۔

بہر حال اگر یہی مان لیا جائے کہ ایک لغت کی پابندی، عہد عثمانی میں ہوئی تو بھی یہ

۱: ارشاد الساری، ج:۷، ص:۳۶۱، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

۲: ارشاد الساری، ج:۷، ص:۳۶۱

https://alislami.net

اعتراض بالکل بے جا اور معاندانہ ہے کہ قرآن سات لغات میں تھا اب ایک ہی لغت میں ہے تو اکثر قرآن ضائع ہو گیا۔ (والعیاذ باللہ)

بہت سی احادیث اور کثیر اقوال محققین سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ زبان قریش کے علاوہ دیگر لغات پر قراءت محض ایک رخصت تھی جس کی بنیاد مخصوص حالات واسباب پر تھی۔ لہٰذا ان حالات واسباب اور مصلحتوں کے ختم ہو جانے کے باعث اگر وہ مخصوص رخصت بھی ختم کر دی گئی تو اس سے قرآن کے کسی حصے کا ضیاع کیسے لازم آیا؟ میں کہتا ہوں بطور تنزل اگر یہی مان لیا جائے کہ قرآن پہلے زبانِ قریش میں نازل ہوا، پھر تیسیراً سات لغات پر اترا مگر جب سرکار کے آخری رمضان میں حضرت جبریل نے قرآن کا دوبار دور کیا اور دورۂ اخیر کی قراءت ثابت و مستقر ہو گئی اور باقی زبانیں اس دورہ میں نہ رہیں تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآنِ کامل اور سب کا مرجع و معتمد یہی ہے جو اس دورہ میں ثابت رہا۔ اور پہلے جو کچھ تھا وہ انقضاے ضرورت یا کسی بھی مصلحت کے سبب منسوخ ہو گیا، چاہے بالعموم لوگوں کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اب سابقہ رخصت پر عمل سے اسی وقت روکا جائے یا بعد میں اس کی ضرورت سمجھی جائے۔ بہر حال اصل قرآن تو دورۂ اخیرہ کا ثابت شدہ قرار پایا اگر معاذ اللہ اس کا کوئی حصہ آج نہ ہوتا تو کوئی ضیاع قرآن کہنے کی جسارت کرتا، مگر قرآن منسوخ کے باقی نہ رہنے کو اکثر قرآن کا ضیاع وہی کہہ سکتا ہے جس کی عقل میں فتور ہو اور جسے نسخ وضیاع کے معنی میں بھی کوئی تمیز نہ ہو۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ نسخ کوئی عیب نہیں، بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی حکم یا تلاوت یا دونوں ایک مخصوص مدت کے لیے ہوں خواہ پہلے اس مدت کا اعلان نہ ہو اور جب وہ مدت پوری ہو جائے تو وہ حکم یا تلاوت یا دونوں اٹھا لیے جائیں۔ لوگ اس معاملہ کی تعبیر جس لفظ سے بھی کریں مگر ظاہر ہے کہ مذکورہ حقیقت میں ہرگز کوئی عیب نہیں۔ وتعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا۔

تدوین ثالث کے اسباب و محرکات

اس تفصیلی اور ضروری تمہید کے بعد "تدوین ثالث" کے اسباب و محرکات کا سمجھنا آسان ہوگیا، مذکورہ رخصت خواہ زمانۂ ذوالنورین تک باقی رہی ہو یا عہد رسالت ہی میں ختم ہوگئی ہو اور بلاد وامصار میں پھیلے ہوئے تمام مسلمانوں کو اس کی اطلاع نہ ملی ہو، بہر تقدیر عہد عثمانی میں ایک سنگین صورت حال پیش آئی، ایک طرز ادا والا اپنی ہی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط سمجھنے لگا اس پر آپس میں جنگ وجدال اور زدوکوب تک کی نوبت پہنچی۔

عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے:

أَنَّ حُذَيْفَةَ قَدِمَ مِنْ غَزْوَةٍ فَلَمْ يَدْخُلْ بَيْتَهُ حَتَّى أَتَى عُثْمَانَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَدْرِكِ النَّاسَ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ غزوت فرج أرمينية فَإِذا أهل الشَّام يقرؤون بِقِرَاءَةِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَيَأْتُونَ بِمَا لَمْ يسمع أهل الْعرَاق واذا أهل الْعرَاق يقرؤون بِقِرَاءَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَيَأْتُونَ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ أَهْلُ الشَّامِ فَيُكَفِّرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.(۱)

حضرت حذیفہ ایک جنگ سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے حضرت عثمان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے امیر المومنین لوگوں کو تھامیے، فرمایا کیا بات ہے؟ کہا میں سرحد ارمینیہ کی لڑائی میں شریک ہوا تو دیکھا کہ شام والے ابی بن کعب کی قراءت پر قرآن پڑھتے ہیں جسے اہل عراق نے نہیں سنا، اور عراق والے ابن مسعود کی قراءت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا، تو ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔

خود حضرت عثمان کے یہاں بھی اس طرح کا اختلافی مقدمہ پہنچا، ابن اشتہ نے

۱: عمدۃ القاری للعینی، ج:۲۰، ص::۱۸/ارشاد الساری ج:۷، ص:۳۵۸

ابو قلابہ سے بطریق ایوب روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا بنی عامر کے انس بن مالک نامی ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عثمان کے زمانے میں لوگوں نے قرآن کے بارے میں اختلاف کیا، یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین ایک دوسرے سے جنگ کر بیٹھے معاملہ حضرت عثمان تک پہنچا تو انھوں نے فرمایا:

عِنْدِي تُكَذِّبُونَ بِهِ وَتَلْحَنُونَ فِيهِ فَمَنْ نَأَى عَنِّي كَانَ أَشَدَّ تَكْذِيبًا وَأَكْثَرَ لَحْنًا.(۱)

میرے یہاں تم اس میں جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو، تو جو مجھ سے دور ہیں وہ تو تم سے بھی زیادہ تکذیب اور غلطی میں مبتلا ہوں گے۔

یہ ایک فتنے کی ابتدا تھی جس کا انجام بڑا ہی خطرناک اور اندوہ ناک ہو سکتا تھا اس لیے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے دفاع کے لیے ممتاز صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اور اپنی رائے پیش کی، جس پر تمام حضرات نے فیصلہ کر دیا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام قبائل عرب بلکہ ساری دنیا کو ایک لغت پر جمع کر دیا جائے اور زبان نزول کے مطابق قرآن کے متعدّد نسخے تیار کرا کے دیار وامصار میں بھیج دیے جائیں اور سب کے لیے اسی کی پابندی ضروری قرار دی جائے۔

تدوین ثالث کی کیفیت

تدوین اول کی کیفیت بس یہ تھی کہ پورا قرآن لکھ لیا گیا تھا، تمام سورتوں اور تمام سورتوں کی جملہ آیات کے درمیان ترتیب نہ تھی، تدوین ثانی میں ہر سورہ کی تمام آیات ترتیب سے لکھی گئیں، اور الگ الگ سورتوں پر مشتمل صحیفے تیار ہو گئے مگر خود سورتوں کے درمیان باہمی ترتیب قید تحریر میں نہ آسکی اس لیے عہد عثمانی میں قرآن کے متعدّد

۱: الاتقان، ج:۱، ص:۶۱، نوع:۱۸

نسخے تیار کرانے کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا گیا کہ قرآن کی ایک "تیسری تدوین" ہوجائے جس میں سورتوں کی باہمی ترتیب بھی ہو، اور جو قرآن الگ الگ سورتوں پر مشتمل "صحیفوں" کی شکل میں ہے اسے ایک "مصحف" کی شکل دے کر پورے قرآن کی یک جا شیرازہ بندی کردی جائے۔

ابن سعد، بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی تفصیل یوں روایت کی ہے:

حضرت حذیفہ بن الیمان شام وعراق والوں کے ساتھ مل کر ارمینیہ وآذربیجان کی فتح میں جنگ کررہے تھے جب انھوں نے قراءت قرآن میں لوگوں کا اختلاف دیکھا تو گھبرا اٹھے۔ معرکہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے امیرالمؤمنین! اس امت کو وہ وقت آنے سے پہلے تھامیے جب یہ امت بھی یہود ونصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے، حضرت عثمان نے ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس کہلا بھیجا کہ صدیقی صحیفے بھیجیے۔ ہم وہ صحیفے مصاحف میں نقل کراکے اصل آپ کو واپس کردیں گے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ نے بھیج دیے۔ امیرالمؤمنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نقل قرآن کی خدمت سپرد کی جسے ان حضرات نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں قرشی حضرات سے فرمایا، جب تمھارا اور زید بن ثابت کا قرآن کی کسی آیت میں اختلاف ہو تو اُسے زبان قریش کے مطابق قلم بند کرو، اس لیے کہ قرآن ان ہی کی زبان میں اترا ہے ان حضرات نے ایسا ہی کیا۔

جب مصاحف میں صحیفوں کی نقل ہوگئی، تو حضرت عثمان نے ام المؤمنین

حضرت حفصہ کو وہ صحیفے واپس کر دیے۔[1] اور تدوین شدہ مصاحف میں سے ایک ایک مصحف ہر اہم اسلامی شہر میں بھیج دیا۔

فتح الباری میں ہے، یہ تدوین ۲۵ھ میں حضرت عثمان کی خلافت کے دوسرے یا تیسرے سال ہوئی۔[2]

ترمذی کی روایت میں یہ واقعہ مزید ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری نے فرمایا ''تابوت'' اور '' تَابُوہ'' میں کاتبین کا اختلاف ہوا، قرشیوں نے تابوت کہا

۱: ابن ابی داؤد نے زہری سے روایت کی ہے:

أَخْبَرَنِي سَالِم بْن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مَرْوَانُ يُرْسِلُ إِلَى حَفْصَةَ يَسْأَلُهَا الصُّحُفَ الَّتِي كُتِبَ فِيهَا الْقُرْآنُ فَتَأْبَى حفصة أَنْ تُعْطِيَهُ اياها. فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ حَفْصَةُ وَرَجَعْنَا مِنْ دَفْنِهَا أَرْسَلَ مَرْوَانُ بِالْعَزِيمَةِ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ لِيُرْسِلَ إِلَيْهِ بِتِلْكَ الصُّحُف فَأَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَأَمَرَ بِهَا مَرْوَانُ فَشُقَّقَتْ وَقَالَ مَرْوَان إنما فعلت هذا لأن ما فيها قد كتب وحفظ بالصحف فخشيت إن طال بالناس زمان أن يرتاب في شأن هذه الصحف مرتاب أو يقول إنه قد كان فيها شيء لم يكتب.

مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے خبر دی کہ مروان آدمی بھیج کر حضرت حفصہ سے ان صحیفوں کو مانگا کرتا تھا، وہ دینے سے انکار فرماتی رہیں، جب ان کی وفات ہوگئی، اور ہم ان کے دفن سے فارغ ہو کر لوٹے تو مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس قسم کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ ان صحیفوں کو بھیج دیں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کے پاس بھیج دیے، مروان نے ان صحیفوں کو چاک کرادیا، اور کہا یہ میں نے اس لیے کیا کہ ان میں جو کچھ ہے اس کی کتابت ہو چکی، صحیفے یاد کر لیے گئے، اب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ عرصۂ دراز گزر جانے کے بعد کوئی ان صحیفوں کے بارے میں شک کرے یا کوئی کہے کہ صحیفوں میں کچھ ایسا حصہ تھا جس کی کتابت نہ ہوئی۔ (کنز العمال، ج:۱، ص:۲۸۰)

۲: فتح الباری، ج:۹، ص:۱۴

اور حضرت زید بن ثابت نے تابوہ۔ معاملہ حضرت عثمان کے پاس پہنچا تو انھوں نے فرمایا ''تابوت''، لکھو، کیوں کہ قرآن زبان قریش میں نازل ہوا۔ (۱)

کتاب المصاحف لابن ابی داؤد میں بطریق محمد بن سیرین روایت ہے کہ تدوین ثالث میں بارہ آدمیوں نے نقل واملا، کی خدمت انجام دی، مذکورہ چار حضرات کے علاوہ مزید پانچ حضرات کے نام متفرق طور پر کتاب ابن ابی داؤد میں ملتے ہیں۔ حضرت مالک بن انس کے دادا مالک ابن ابی عامر، کثیر بن افلح، ابی بن کعب، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **من اکتب الناس**؟ سب سے زیادہ لکھنے والا کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کاتب رسول، زید بن ثابت، فرمایا: **فای الناس اعرب (او) افصح**؟ عربیت اور فصاحت میں سب سے بڑھ کر کون ہے؟ لوگوں نے کہا، سعید بن العاص۔ امیر المومنین نے فرمایا، سعید املا کرائیں اور زید لکھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اولاً نقل کی خدمت ان ہی دو حضرات کے سپرد تھی پھر آفاقِ عالم اسلامی میں بھیجے جانے والے مصاحف کی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے مزید دس آدمیوں کا اضافہ کیا گیا۔ (۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بڑا شکوہ تھا کہ انھیں کتابت مصاحف میں کیوں شامل نہیں کیا گیا، حالاں کہ وہ زید سے زیادہ قدیم الاسلام، سن رسیدہ اور ذی علم ہیں۔ مگر معاملہ یہ تھا کہ حضرت ابن مسعود کوفہ میں تھے۔ اور کار تدوین مدینہ میں ہو رہا تھا، حضرت عثمان نے کتابتِ مصاحف کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بلا تاخیر اس کی تکمیل کا عزم

۱: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۲

۲: فتح الباری، ج:۹، ص:۱۵، /قسطلانی ج:۷، ص:۳۵۸

کرلیا، اور حضرت ابن مسعود کے پاس کوفہ یا کسی بھی دور جگہ کے مقیم معزز صحابی کے پاس اطلاع بھیجنے، اور وہاں سے ان کی آمد کا انتظار کرنے میں حرج و تاخیر محسوس کی اس لیے انھیں اس خدمت میں شامل نہ کرسکے۔ پھر انھیں یہی عہد صدیقی کے صحیفوں کی نقل کرانی اور انھیں مصحف کی شکل دینی تھی، اس کے لیے مدینہ کے رہنے والے لوگ کافی تھے۔ اور ان میں حضرت زید یقیناً زیادہ موزوں تھے کیوں کہ صدیقی صحیفے ان ہی کے لکھے ہوئے تھے، اور اس وقت سب کی موجودگی میں حضرات شیخین نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خدمت سپرد کی۔ اس بنیاد پر کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، یعنی عہد رسالت ہی سے اس معاملہ میں ان کو ترجیح اور اولیت حاصل تھی، پھر اگر عہد عثمانی میں بھی انھیں اس خدمت کی سربراہی دے دی گئی تو کسی کو اعتراض کا کیا موقع؟ اس وقت اکابر صحابہ نے حضرت ابن مسعود کے پرزور شکوے کو ناپسند کیا۔[1]

تعداد مصاحف

مشہور یہ ہے کہ آفاق عالم اسلامی میں بھیجے جانے والے مصاحف کی تعداد پانچ تھی۔ ابن ابی داؤد نے بیان کیا ہے کہ میں نے حاتم سجستانی سے سنا کہ سات مصاحف لکھے گئے جن میں سے مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ، کوفہ ایک ایک مصحف بھیج دیا گیا اور ایک مدینے میں رہا۔[2]

آیت احزاب

حضرت انس بن مالک سے تدوین ثالث کی مذکورہ تفصیلی حدیث کے بعد، امام

۱: فتح الباری، ج:۹، ص:۱۶

۲: اتقان ج:۱، ص:۶۱

بخاری وغیرہ محدثین نے حضرت ابن شہاب زہری سے مزید یہ روایت کی ہے:

أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُ يَقُولُ فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا، فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ { مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ } فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُورَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ.

مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی، انھوں نے اپنے والد زید بن ثابت سے سنا، انھوں نے فرمایا، مصاحف نقل کرتے وقت میں نے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہ پائی جسے میں رسول اللہ ﷺ سے سنا کرتا تھا، اُسے ہم نے تلاش کیا تو خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پایا، تو اسے مصحف کے اندر سورۂ احزاب میں اس کی جگہ پر شامل کر دیا وہ آیت یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ.

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد صدیقی کی تدوین میں مذکورہ آیتِ احزاب چھوٹ گئی تھی، تیسری تدوین میں جب صحف صدیقی دوبارہ سامنے آئے تو حضرت زید نے ان صحیفوں میں آیت نہ پاکر اس کی تلاش شروع کی اور اس بات کی جستجو ہوئی کہ عہد رسالت کی لکھی ہوئی مل جائے۔ چناں چہ حضرت خزیمہ بن ثابت کے پاس ملی پھر مصحف عثمانی میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی۔

اس حدیث کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحف صدیقی میں ایک آیت کی کمی رہ گئی تھی پھر مخالفین اسلام نے دوسرا شبہہ یہ پیش کیا کہ ہو سکتا ہے کہ مصحف عثمانی میں بھی کچھ چھوٹ گیا ہو، اس اعتراض کے کئی جواب دیے گئے ہیں:

(۱) سہو و نسیان، خاصۂ انسان ہے۔ اس لیے ممکن ہے صحف صدیقی کی تدوین میں

یہ آیت چھوٹ گئی ہو مگر ان صحیفوں کو مرجعیت حاصل نہ تھی۔ لوگ زبانی طور پر حفاظ وقُرّا سے قرآن سیکھتے، ان صحیفوں سے نہیں۔ اس لیے قرآن کی قراءت وتلاوت میں کوئی کمی نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ وحفاظ کو پوری سورۂ احزاب سکھائی تھی وہ صحابہ وحفاظ دوسرے لوگوں کو پوری سورہ پڑھاتے اور سکھاتے تھے اس لیے اس وقت ان صحیفوں میں ایک آیت کی کمی سے انسان کی خصوصیت نسیان کا ظہور تو ہوا مگر چوں کہ قرآن کریم کا نگہبان رب العالمین ہے اس لیے اصل قرآن قراءت صحابہ وحفاظ میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ البتہ جب کتابت اور مصحف کو مرجعیت حاصل ہونے والی تھی اور مصاحف اس غرض سے تیار ہو رہے تھے کہ لوگ انھیں پڑھیں گے۔ ان سے قرآن سیکھیں گے اور یاد کریں گے تو حافظ حقیقی نے کاتب وحی حضرت زید کو یاد دلا کر کتابت کی بھی یہ کمی پوری کر دی، اور قرآن کی ایک آیت بھی نہ چھوٹی۔

مصحف عثمانی میں کسی آیت کے چھوٹنے کا احتمال ناقابل التفات ہے کیوں کہ اس کی تدوین وکتابت صرف حضرت زید تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں بارہ صحابہ کرام کی شمولیت تھی پھر اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا، جب کہیں اس کی اشاعت ہوئی، کیا یہ کسی عقل میں آنے والی بات ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت چھوٹ جائے اور عظیم جماعتِ صحابہ وحفاظ میں سے کسی کو یاد نہ آئے؟ یا یاد تو آئے، مگر سب خاموش رہ جائیں، اور قرآنِ ناقص پر اجماع کر لیں؟ کیا صحابہ کی حرارت ایمانی، دینی معاملات میں ان کی جرأتِ بے باک اور ان کے جذبۂ حق گوئی سے آشنا کوئی بھی شخص ایسے اوہام وخیالات کو ذرا دیر کے لیے بھی اپنے ذہن میں جگہ دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں کہ یہ بہت بعید ہے کہ عہد صدیقی کی تدوین میں کسی آیت کی کتابت چھوٹ گئی ہو، اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ تدوین ثالث کا نہیں بلکہ تدوین ثانی کا ہے۔ تدوین ثانی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی لکھائی ہوئی یاد

داشتوں میں آیت احزاب نہ ملی، تلاش و جستجو کے بعد صاحب شہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پائی گئی اور **مصحف یعنی صحیفوں میں** لکھی گئی۔ (۱)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے بھی اس کی تائید کی ہے بلکہ اسی کو حدیث کا ظاہر معنی قرار دیا ہے۔ (۲)

اب رہا یہ کہ اس میں "نسخنا المصحف" ہے (ہم نے مصحف کو اصل یاد داشتوں سے نقل کیا) حالاں کہ تدوین ثانی میں تنہا حضرت زید نے کتابت کی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں نون جمع تعظیمًا ہے۔

- مگر مصاحف کے معنی صحیفے لینا محل نظر ہے کیوں کہ یہی حدیث بخاری شریف میں اور دو مقامات پر آئی ہے ایک جگہ یہ الفاظ ہیں نسخت الصحف فی المصاحف. (۳)

دوسری جگہ ہے:

لَمَّا نَسَخْنَا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ فَقَدْتُ آيَةً مِنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ كُنْتُ كَثِيرًا أَسْمَعُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهَا لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ إِلَّا مَعَ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ الَّذِي جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ. (٤)

جب ہم نے "صحیفے" مصاحف میں نقل کیے تو سورۂ احزاب کی ایک آیت کھو گئی۔ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا کرتا تھا، وہ میں نے کسی کے پاس نہ پائی سوائے

۱: مرقات، ج:۲، ص:۶۳۱

۲: اشعۃ اللمعات، ج:۲، ص:۱۶۵

۳: بخاری، ج:۱، ص:۳۹۴، کتاب الجہاد

۴: بخاری، ج:۲، ص:۷۰۵ کتاب التفسیر

حضرت خزیمہ انصاری کے جن کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

کسی حدیث کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تمام طُرُق وروایات پر نظر رکھتے ہوئے اس کا صحیح مفہوم متعیّن کیا جائے۔ ان روایات کے الفاظ سے واضح ہے کہ آیت احزاب نہ ملنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب صحیفے مصاحف میں نقل کیے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام عہد عثمانی اور تدوین ثالث میں ہوا عہد صدیقی میں نہیں، اس تدوین میں تو صرف صحیفے تیار ہوئے۔ مصاحف نہیں۔

لہٰذا حدیث خارجہ بن زید میں مصاحف کے معنی "صحیفے" لینا اور آیت احزاب کی گم شدگی کا واقعہ تدوین ثالث نہیں بلکہ تدوین ثانی کا بتانا صحیح وصریح روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(۳) راقم کے نزدیک حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا جواب ایک اور ہے امید کرتا ہوں کہ معزز ناقدین کی نظر میں قرین تحقیق ثابت ہوگا۔

(الف) سب سے پہلے خود زیر بحث حدیث پر غور کرنا چاہیے۔ اس میں ہرگز کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس امر کی واضح نشان دہی کرتا ہو کہ تدوین ثالث کے وقت جب صحف صدیقی دیکھے گئے تو ان میں سورہ احزاب کی وہ آیت نہ ملی اور یہ احساس ہوا کہ ان صحیفوں سے ایک آیت چھوٹ گئی اور لکھی نہ جا سکی، جب روایات واحادیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں تو قطعیت اور جزم ویقین کے ساتھ یہ معنی متعیّن کرنے کی گنجائش بھی نہیں کہ صحف صدیقی میں ایک آیت درج نہ ہو سکی۔

(ب) اس حدیث میں "فقدت آیۃ من الاحزاب" خاص طور سے قابل توجہ ہے فَقَدَ کا اصل معنی ہے گم کر دیا، کھو دیا[1] ظاہر ہے کہ "میں نے فلاں شے گم

۱: اس معنی کی تعیین فالتمسنا (تو ہم نے اسے تلاش کیا) سے بھی ہوتی ہے۔

کردی اور فلاں چیز کھوگئی" اسی وقت بولیں گے جب اپنے پاس موجود رہی ہو پھر غائب ہوئی ہو۔ اب اگر فقدت آیۃ من الاحزاب کے معنی یہ لیں کہ صحیفہ صدیقی میں سے سورۂ احزاب کی ایک آیت میں نے کھودی تو معنی کسی طرح بن نہیں سکتے۔ صحیفے میں پوری سورہ موجود تھی پھر اس میں ایک آیت نکل کر کھوگئی۔ باقی سورہ مع کاغذ موجود رہی یہ بھلا کون کہہ سکتا ہے۔ اس کی نوعیت یہ ہوسکتی ہے کہ آیت کسی طرح مٹ جائے اور اس کی جگہ باقی ہو۔ مگر اس کی تعبیر **کھودینے** اور **گم کردینے** سے ہرگز نہ ہوگی۔ اس کے لیے صاف طور پر کہا جائے گا **ایک آیت مٹ گئی** یا **فلاں آیت کی جگہ سے حروف اڑ گئے اور بیاض ہوگیا۔**

اب آپ غور کریں کہ **میں نے ایک آیت کھودی** یہ تعبیر کس حقیقت پر دال ہے اور یہ عبارت واقعہ کی کس نوعیت کا پتا دے رہی ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ عہد رسالت میں بعض چھوٹی سورتوں کی طرح بہت سی آیات بھی مختلف ٹکڑوں اور اجزا میں منتشر و غیر مرتب تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی یادداشتوں میں بلاشبہ ایسا بھی تھا کہ ایک آیت ایک چرمی پارچے یا اور کسی چیز پر علاحدہ تھی وہ ساری یادداشتیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد صدیقی کی تدوین میں پیش نظر رکھیں۔ ان یادداشتوں میں سے اگر کوئی آیت بعد میں گم ہوگئی ہو تو یقیناً یہ تعبیر برمحل ہوگی کہ **فلاں آیت کھوگئی** یعنی تدوین ثانی کے وقت تو موجود تھی مگر تدوین ثالث کے وقت گم ہوگئی۔

اب آپ پر میرا مدعا واضح ہے کہ فقدت آیۃ من الاحزاب کا جملہ پتا دے رہا ہے کہ تدوین ثالث کے وقت صرف صحف صدیقی سے نقل پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ اولین ماخذ، اور بعد کی جملہ تدوینی خدمات کا سنگ بنیاد اور سب کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی املا کرائی ہوئی یادداشتیں بھی پیش نظر رکھی گئیں۔ ان ہی یادداشتوں میں سورہ احزاب کی ایک آیت مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ. جو تدوین

ثانی کے وقت موجود تھی۔ تدوین ثالث کے وقت کھوگئی جب تلاش کی گئی تو صاحب شہادتین حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مکتوبہ شکل میں ملی پھر مصحف کے اندر سورہ احزاب میں اپنے مقام پر ثبت کردی گئی۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آج کوئی محقق جب کسی کتاب کو ایڈٹ کر کے منظر عام پر لانا چاہتا ہے تو اپنے معتمد نسخے کے علاوہ متعدّد دوسرے نسخے، مختلف مآخذ اور بہت سی تائیدات تحقیق مزید اور اطمینان کامل کی خاطر فراہم کر کے سامنے رکھتا ہے۔ اور لفظ لفظ کی تنقیح کامل کے بعد اپنی کتاب منصّۂ شہود پر لاتا ہے۔ اسی طرح تدوین ثانی اور تدوین ثالث میں بھی یہ احتیاطیں برتی گئیں۔ بلکہ وہ تنقیحات عصر حاضر کی تحقیقات سے بدرجہا فائق تھیں۔ آج کی کتابیں متواتر اور جماعت کثیرہ کو حفظ نہیں ہوتیں اس لیے یہ تمام انتظامات کیے جاتے ہیں مگر ان محتاط صحابۂ کرام نے دین حق کی اساس **قرآن عظیم** کی اہمیت کے پیش نظر تواتر و حفظ کے باوجود پہلے تمام ممکنہ تائیدات حاصل کرلیں پھر کہیں صحیفوں اور مصاحف میں آیات قرآنی درج کیں۔

راقم کے مذکورہ بیان کی بنیاد کسی اختراع یا احتمال محض پر نہیں بلکہ متعدّد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحف صدیقی کے ساتھ لوگوں کے پاس سے چرمی پارچوں، سنگی تختیوں وغیرہ میں لکھے ہوئے اجزاے قرآنی بھی جمع کیے اور حفاظ و قرا کی طرف بھی موقع بموقع رجوع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی املا کرائی ہوئی یادداشتوں کے بارے میں اگرچہ ہمیں اب تک کوئی واضح صریح اور مفصل روایت نہ ملی، مگر ظاہر ہے کہ جب اتنی تمام تحقیقات فرمائیں تو یقیناً صدیقی صحیفوں کے ساتھ وہ یادداشتیں بھی سامنے رکھی ہوں گی۔ اس لیے کہ یہ سب سے معتمد اور سب کا ماخذ تھیں، ہاں اس پر ایک دلیل وہی فقدت آیة من الاحزاب ہے جس سے تفصیلی استدلال ابھی گزرا۔

روایات

(۱) ابن ابی داؤد اور ابن عساکر نے حضرت مصعب بن سعد سے روایت کی ہے انھوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تمھارے نبی ﷺ کے زمانے کو ابھی صرف تیرہ سال گزرے اور تمھارا حال یہ ہے کہ قرآن میں شک لاتے ہو، کہتے ہو، اُبی کی قراءت، عبداللہ کی قراءت، کوئی کہتا ہے بخدا تمھاری قراءت درست نہیں۔

فأعزم على كل رجل منكم كان معه من كتاب الله شيء لما جاء به، فكان الرجل يجيء بالورقة والأديم فيه القرآن، حتى جمع من ذلك أكثره ثم دخل عثمان فدعاهم رجلا رجلا فناشدهم أسمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهو أملاه عليك؟ فيقول: نعم.

تو میں ہر اس شخص پر لازم کرتا ہوں جس کے پاس کتاب کا کوئی حصہ ہو کہ وہ اسے ضرور لے آئے تو آدمی ورق اور چرمی پارچہ لاتا جس میں قرآن ہوتا یہاں تک کہ حضرت عثمان نے اس میں سے اکثر جمع کر لیا۔ پھر اندر جا کر ایک ایک آدمی کو بلایا اور اسے قسم دی کہ کیا تم نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور انھوں نے تمھیں املا کرایا ہے وہ کہتا، ہاں۔

جب اس سے فارغ ہوئے تو فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ کتابت کرنے والا کون ہے؟ لوگون نے کہا **زید بن ثابت**۔ فرمایا تو عربیت میں سب سے فائق کون ہے؟ عرض کیا گیا **سعید بن العاص**۔ فرمایا تو **سعید لکھائیں اور زید لکھیں**، چناں چہ حضرت زید نے لکھا، اور اس مصحف کے ساتھ اور بھی مصاحف لکھے گئے جنھیں حضرت عثمان نے

لوگوں میں تقسیم کردیا۔ میں نے بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ حضرت عثمان نے اچھا کیا۔ (۱)

ابن ابی داؤد اور مستدرک حاکم کی ایک اور روایت حضرت مصعب بن زید ہی سے ہے، اس میں یوں ہے:

عزمت على من عنده شيء من القرآن سمعه من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، لما أتاني به، فجعل الرجل يأتيه باللوح والكتف والعسيب فيه الكتاب، فمن أتاه بشيء قال: أنت سمعته من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ (۲)

میں نے ہر شخص پر لازم کیا کہ جس کے پاس قرآن کا کوئی ایسا حصہ ہو جسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو تو اسے لے آئے۔ آدمی تختی، اونٹ کے مونڈھے کے پاس کی ہڈی اور درخت خرما کی شاخ لاتا جس میں قرآنی نوشتہ ہوتا جو بھی ان کے پاس کچھ لاتا اس سے فرماتے کیا تم نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟

(۲) ابن ابی داؤد نے امام محمد بن سیرین سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے کثیر بن افلح نے بیان کیا کہ وہ بھی مصاحف کی کتابت میں شامل تھے۔ تو بسا اوقات آیت میں لوگوں کا اختلاف ہوتا تو اسے مؤخر کردیتے۔ میں نے کثیر سے پوچھا مؤخر کیوں کرتے؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں۔ مجھے اس کی ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے اسے یقینی وجہ نہ قرار دے لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ جب اختلاف ہوتا تو اسے اس لیے مؤخر کردیتے کہ دیکھیں قرآن کے دورۂ اخیرہ کی نسبت سب سے جدید وقریب کون ہے؟ تاکہ اسی کے قول پر اسے لکھیں۔ (۳)

۱: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۲
۲: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۳
۳: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۳

(۳) ابن ابی داؤد، ابن الانباری، اور امام ابو جعفر طحاوی اپنی سند کے ساتھ ابو قلابہ سے راوی ہیں:

قَالَ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ يُقَالُ لَهُ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: اخْتَلَفُوا في القراءة عَلَى عَهْدِ عُثْمَانَ حَتَّى اَقْبَلَ الْغِلْمَانُ وَالْمُعَلِّمُونَ فَبَلَغَ ذَلِكَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ فَقَالَ: عِنْدِي تُكَذِّبُونَ بِهِ وَتَلْحَنُونَ فِيهِ فَمَنْ نَأَى عَنِّي كَانَ أَشَدَّ تَكْذِيبًا وَأَكْثَرَ لَحْنًا. يَا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ اجْتَمِعُوا فَاكْتُبُوا لِلنَّاسِ إِمَامًا. فَاجْتَمَعُوا فَكَتَبُوا فكانوا إذا اختلفوا وتدارءوا في آيَةٍ قَالُوا: هَذِهِ أَقْرَأَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُلَانًا فَيُرْسِلُ إِلَيْهِ وَهُوَ عَلَى رأس ثلاث من المدينة فقال لَهُ: كَيْفَ أَقْرَأَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةَ كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُولُ: كَذَا وَكَذَا، فَيَكْتُبُونَهَا وَقَدْ تَرَكُوا الذَّلِكَ مَكَانًا.[1]

انھوں نے فرمایا بنی عامر کے ایک آدمی نے مجھ سے حدیث بیان کی انھیں انس بن مالک کہا جاتا، فرمایا عہد عثمانی میں قرآن کے اندر لوگوں نے باہم اختلاف کیا یہاں تک کہ لڑکے اور معلمین آئے تو حضرت عثمان کو اس کی خبر پہنچی تو انھوں نے فرمایا میرے پاس لوگ اسے جھٹلاتے اور اس میں اختلاف کرتے ہیں جو مجھ سے دور ہیں وہ تو اور ہی زیادہ تکذیب واختلاف میں مبتلا ہوں گے۔ اے اصحاب رسول! مجتمع ہوکر لوگوں کے لیے ایک "مصحف امام" لکھ دو۔ انس بن مالک نے فرمایا تو لوگوں نے مصحف لکھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ جب کسی آیت میں ان کا اختلاف ہوتا تو کہتے یہ آیت رسول اللہ ﷺ نے

۱: مشکل الآثار للامام ابی جعفر الطحاوی، ج:۴، ص:۱۹۴ طبع اول ۱۳۳۳ھ دائرۃ المعارف حیدرآباد/کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۲/الاتقان فی علوم القرآن، نوع:۱۸

فلاں کو پڑھائی تھی اس کے پاس خبر بھیجی جاتی اور وہ مدینہ سے تین دن کی دوری پر ہوتا تو کہا جاتا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں آیت کیوں کر پڑھائی تھی۔ وہ بتاتا اِس اِس طرح۔ تو (اس کے بیان کے مطابق) لوگ لکھتے اور پہلے سے اس آیت کے لیے جگہ چھوڑے ہوتے۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ عہد عثمانی میں صدیقی صحیفوں سے مصاحف تیار کرنے کے ساتھ مزید اطمینان اور تنقیح کامل کی خاطر دوسرے ذرائع تحقیق بھی عمل میں لائے گئے اور ہرگز اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ایک معتمد نسخہ کے ہوتے ہوئے دوسرے ذرائع سے مزید اعتماد واطمینان حاصل کرلیا جائے۔ جیسے عہد صدیقی میں باوجودے کہ کاتب وحی اور حضرات جامعین کے نزدیک قرآن غیر قرآن سے ممتاز اور ہر آیت متواتر ویقینی تھی مگر اطمینان کامل اور احتیاط مزید کی خاطر عہد نبوی کے محفوظ نوشتے بھی پیش نظر رکھے گئے۔ لوگوں کے پاس جو اور نوشتے تھے وہ بھی جمع کیے گئے۔ ہر نوشتے اور ہر آیت کی تصدیق کے لیے دو دو شاہد بھی طلب کیے گئے۔ یوں ہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر صرف صحف صدیقی سے نقل پر اکتفا کر لیتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔ مگر انھوں نے مزید تحقیق اور اطمینان کے لیے دوسرے نوشتے بھی جمع کیے۔ حسب ضرورت حفاظ اور قُرا سے بھی رجوع کیا، عہد رسالت کی یادداشتیں بھی پیش نظر رکھیں۔ قریبًا چودہ پندرہ برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد ان یادداشتوں میں سے اس وقت سورہ احزاب کی ایک آیت مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ. کھو گئی تھی۔ مگر پھر حضرت خزیمہ صاحب شہادتین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے وہ آیت عہد رسالت ہی کی تحریر شدہ حاصل ہوگئی، پھر مصحف شریف میں اپنے مقام پر ثبت کی گئی۔

اس تفصیلی بحث سے معلوم ہوا کہ ہرگز صحف صدیقی میں بھی کسی آیت کی کمی نہ تھی حفظ الٰہی کے زیر عنایت صدیقی صحیفے بھی تام وکامل تھے اور مصحف عثمانی بھی۔ نہ اس

وقت کوئی آیت چھوٹی نہ اِس وقت کوئی آیت چھوٹنے کا امکان۔ حدیث کے صحیح معنی ومفہوم متعیّن کیے بغیر نقص قرآن کے شکوک واوہام پیدا کرنا کوئی کمال نہیں۔ قرآن کریم رب العالمین کی وہ مقدس کتاب ہے جو ہر زمانہ اور ہر دور میں نقص وکمی، اضافہ وزیادتی اور ترمیم وتحریف سے محفوظ رہی اور ہمیشہ محفوظ رہے گی۔

بے جا اوہام وشبہات پیش کرکے تورات وانجیل کی خود کردہ تحریفات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا، جو جرم واقعی ہے وہ نمایاں ہی رہے گا۔ اور جس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں وہ بھی اپنی تمام تر نزاہت وحقانیت کے ساتھ ابد تک جلوہ گر رہے گا۔

احراق مصاحف کی روایات

تدوین ثالث کی تفصیل میں حضرت انس بن مالک کی منقولہ روایت کا آخری جملہ یہ ہے:

وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنْ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ

اس کے علاوہ کسی صحیفے یا مصحف میں جو کچھ قرآن تھا حضرت عثمان نے اُسے نذر آتش کرادیا۔

فتح الباری میں ہے:

فِي رِوَايَةِ الْأَكْثَرِ أَنْ يُخْرَقَ بِالْخَاءِ الْمُعْجَمَةِ

صحیح بخاری کے اکثر راویوں کے نزدیک **ان یخرق** خاء معجمہ کے ساتھ ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ انھوں نے باقی سب کو چاک کرادیا۔ لیکن اسی فتح الباری میں آگے یہ ہے:

وَفِي رِوَايَةِ أَبِي قِلَابَةَ فَلَمَّا فَرَغَ عُثْمَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ كَتَبَ

إِلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ أَنِّي قَدْ صَنَعْتُ كَذَا وَكَذَا وَمَحَوْتُ مَا عِنْدِي فَامْحُوا مَا عِنْدَكُمْ.

وَالْمَحْوُ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ بِالْغَسْلِ أَوِ التَّحْرِيقِ وَأَكْثَرُ الرِّوَايَاتِ صَرِيحٌ فِي التَّحْرِيقِ فَهُوَ الَّذِي وَقَعَ.(۱)

"ابوقلابہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان مصحف کی تدوین سے فارغ ہوئے تو اہل بلاد کو لکھا کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے اور جو میرے پاس تھا اسے مٹادیا۔ تمھارے پاس جو ہے اُسے تم بھی مٹادو۔

مٹانا دونوں طرح ہوسکتا ہے۔ دھوکر بھی، اور جلاکر بھی---اور اکثر روایات میں نذر آتش کرنے کا صراحۃً ذکر ہے تو ہوا یہی ہے۔"

مثلاً بخاری نے باب خلق افعال العباد میں، ابن ابی داؤد اور ابن الانباری نے مصاحف میں مصعب بن سعد سے روایت کی ہے:

قَالَ أَدْرَكْتُ النَّاسَ مُتَوَافِرِينَ حِينَ حَرَّقَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَأَعْجَبَهُمْ ذَلِكَ وَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ مِنْهُمْ أَحَدٌ.(۲)

میں نے بکثرت لوگوں کو اس وقت پایا جب حضرت عثمان نے مصاحف نذر آتش کرائے۔ سب نے اسے پسند کیا، اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہما نے شعیب سے روایت کی ہے:

وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُحْرِقُوا كُلَّ مُصْحَفٍ يُخَالِفُ الْمُصْحَفَ الَّذِي أَرْسَلَ بِهِ.

حضرت عثمان نے ہر وہ مصحف نذر آتش کرنے کا حکم دیا جو ان مصاحف کے

۱: فتح الباری، ج:۹، ص:۱۷

۲: کنز العمال، ج:۲، ص:۲۸۱

https://alislami.net

خلاف تھا جنھیں بلادِ اسلامیہ میں بھیجا گیا۔

بُکَیر ابن الاشجّ کی روایت میں ہے:

فَأَمَرَ بِجَمْعِ الْمَصَاحِفِ فَأَحْرَقَهَا ثُمَّ بَثَّ فِي الْأَجْنَادِ الَّتِي كَتَبَ.

دیگر مصاحف جمع کر کے نذر آتش کرائے پھر نئے کتابت شدہ مصاحف لشکروں میں بھیجے۔

سُوَید بن غفلہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

لَا تَقُولُوا لِعُثْمَانَ فِي إِحْرَاقِ الْمَصَاحِفِ إِلَّا خَيْرًا.[1]

مصاحف نذر آتش کرانے سے متعلق عثمان کو خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔

علامہ ابن حجر مزید فرماتے ہیں:

وَيَحْتَمِلُ وُقُوعُ كُلٍّ مِنْهُمَا بِحَسَبِ مَا رَأَى مَنْ كَانَ بِيَدِهِ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ.

ہوسکتا ہے، دھویا بھی گیا ہو، نذر آتش بھی کیا گیا ہو، جس کے ہاتھ میں صحیفہ یا مصحف تھا اس نے جیسا خیال کیا ہو عمل میں لایا۔

جواز احراق

مصحف جلانا جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي وَرَقِ الْمُصْحَفِ الْبَالِي إِذَا لَمْ يَبْقَ فِيهِ نَفْعٌ أَنَّ الْأَوْلَى هُوَ الْغَسْلُ، أَوِ الْإِحْرَاقُ؟ فَقِيلَ: الثَّانِي لِأَنَّهُ يَدْفَعُ سَائِرَ

۱: فتح الباری ص:۱۷، ج:۹/ عمدۃ القاری ص:۱۹، ج:۲۰

صُوَرِ الِامْتِهَانِ، بِخِلَافِ الْغَسْلِ فَإِنَّهُ تُدَاسُ غُسَالَتُهُ، وَقِيلَ الْغَسْلُ وَتُصَبُّ الْغُسَالَةُ فِي مَحَلٍّ طَاهِرٍ لِأَنَّ الْحَرْقَ فِيهِ نَوْعُ إِهَانَةٍ.[۱]

مصحف کا بوسیدہ ورق جس سے کوئی فائدہ نہ رہ گیا ہو اس کے بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ اُسے دھوڈالنا بہتر ہے یا جلانا۔ ایک قول یہ ہے کہ جلانا بہتر ہے۔ کیوں کہ دھونے میں ایک قسم کی اہانت یہ ہوگی کہ غسالہ پیروں سے روندا جائے گا۔ اور جلانے میں اس طرح کی کوئی اہانت نہیں ہو سکتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دھونا بہتر ہے، غسالے کو کسی پاک جگہ میں بہادیا جائے گا کیوں کہ جلانے میں ایک طرح کی اہانت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عثمان نے جلانے ہی کو ترجیح کیوں دی؟ مرقات میں ہے:

صَنِيعُهُ كَانَ بِمَا ثَبَتَ أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ مِمَّا اخْتَلَطَ بِهِ اخْتِلَاطًا لَا يَقْبَلُ الِانْفِكَاكَ، وَإِنَّمَا اخْتَارَ الْإِحْرَاقَ لِأَنَّهُ يُزِيلُ الشَّكَّ فِي كَوْنِهِ تَرَكَ بَعْضَ الْقُرْآنِ، إِذْ لَوْ كَانَ قُرْآنًا لَمْ يُجَوِّزْ مُسْلِمٌ أَن يُحْرِقَهُ.[۲]

حضرت عثمان نے نذرآتش اُسے کرایا جو قرآن نہ تھا، یا قرآن سے اتنا خلط ملط ہو گیا تھا کہ اسے جدا نہیں کیا جا سکتا تھا، اور انھوں نے جلانے ہی کو اس لیے ترجیح دی کہ اس سے یہ شبہہ دور ہو جاتا ہے کہ انھوں نے کچھ قرآن چھوڑ دیا کیوں کہ اگر وہ قرآن (غیر منسوخ) ہوتا تو کوئی مسلمان اُسے جلانا روا نہ رکھتا۔

امام قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

غَسَلُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ أَحرقوها مُبَالغَة فِي إذهابها.

۱: مرقات، ج:۲، ص:۶۳۱

۲: مرقات، ج:۲، ص:۶۳۱

لوگوں نے پہلے اسے پانی سے دھولیا پھر جلایا، تاکہ اچھی طرح تلف ہوجائے۔

علامہ محمود عینی فرماتے ہیں:

وَقيل هَذَا كان فِي ذَالِكَ الْوَقْتِ وَأَمَّا الْآنَ فَالْغَسْلُ أَوْلىٰ اِذا دَعَتِ الْحَاجَةُ إِلَى إِزَالَتِهِ وقال اصحابنا الحنفية ان المصحف اذا بلى بحيث لا ينتفع به يدفن في مكان طاهر بعيد عن وطأ الناس.[1]

کہا گیا یہ اس وقت تھا، لیکن اب اگر ایسی ضرورت ہو تو دھونا ہی اولیٰ ہے ہمارے علماے حنفیہ نے فرمایا جب مصحف اتنا بوسیدہ ہوجائے کہ اس سے فائدہ نہ حاصل ہوسکے تو لوگوں کی پامالی سے دور کسی پاک جگہ دفن کردیا جائے۔

علاء الدین محمد بن علی حصکفی لکھتے ہیں:

المصحف اذا صار بحال لا يقرء فيه يدفن كالمسلم[2]

جب مصحف اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس میں تلاوت نہ ہوسکے تو اسے مسلم کی طرح دفن کردیا جائے۔

وہ مصاحف جن میں غیر قرآن، قرآن سے مخلوط تھا، یا قراءت شاذہ، یا قراءات منسوخہ تھیں، انھیں حضرت ذوالنورین نے صرف اس لیے نذر آتش کرایا کہ فتنۂ اختلاف بالکل فرو ہوجائے، اور آئندہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص ان مصاحف کو پیش کرکے مسلمانوں کی جماعت میں پھر انتشار پیدا کرے۔ اور انھیں ایک زبان اور ایک قرآن پر مجتمع نہ رہنے دے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

۱: عمدۃ القاری، ج:۲۰، ص:۱۹

۲: در مختار، ج:۱، ص:۱۵، مطبع نولکشور لکھنؤ

https://alislami.net

وَلِهَذَا اسْتَدْرَكَ مَرْوَانُ الْأَمْرَ بَعْدَهَا وَأَعْدَمَهَا أَيْضًا خَشْيَةَ أَنْ يَقَعَ لِأَحَدٍ مِنْهَا تَوَهُّمُ أَنَّ فِيهَا مَا يُخَالِفُ الْمُصْحَفَ الَّذِي اسْتَقَرَّ عَلَيْهِ الْأَمْرُ.(۱)

اسی لیے بعد میں مروان نے اس کام کا استدراک اور تلافی مافات کی اور ان صحیفوں کو بھی تلف کرادیا، اس اندیشے کے تحت کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ ان صحیفوں میں کوئی حصہ ایسا ہے جو اس مصحف کے خلاف ہے جس پر عمل درآمد مستقر ہو چکا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کی تائید

ابن ابی داؤد نے بسند صحیح حضرت سوید بن غفلہ سے روایت کی۔ انھوں نے فرمایا:

قَالَ عَلِيٌّ: لَا تَقُولُوا فِي عُثْمَانَ إِلَّا خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا فَعَلَ الَّذِي فَعَلَ فِي الْمَصَاحِفِ إِلَّا عَنْ مَلَإٍ مِنَّا.(۲)

حضرت علی کا فرمان ہے کہ حضرت عثمان کے بارے میں کلمۂ خیر ہی کہو، کیوں کہ انھوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا صرف اپنی رائے سے نہیں بلکہ ہماری ایک جماعت کے مشورے سے کیا۔

ان ہی سے ایک روایت میں ہے:

لَوْ وَلِيتُ لَعَمِلْتُ بِالْمَصَاحِفِ عمل عثمان بها

میں خلیفہ ہوتا تو صحف کے معاملہ میں وہی کرتا جو حضرت عثمان نے کیا۔

○○○

۱: فتح الباری، ج:۹، ص:۱۷
۲: اتقان، ص:۶۱، نوع:۱۸

ترتیب آیات وسُوَر

اوراق گزشتہ میں یہ ذکر ہوا ہے کہ عہد رسالت کی تدوین میں ترتیب آیات نہ تھی۔ تدوین ثانی میں ترتیب آیات کا کام ہوا۔ اور تدوین ثالث میں سورتوں کے درمیان بھی ترتیب قائم ہوگئی۔

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے---کہ یہ آیات اور سورتوں کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وتوقیف سے ہوئی۔ یا اجتہاد صحابہ سے؟ یہ بحث دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔(۱)ترتیب آیات (۲)ترتیب سُوَر

ترتیب آیات

بے شمار نصوص اور اجماع امت سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔ اور وحی الٰہی پھر حکم رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کے مطابق تمام آیات کی تدوین ہوئی ہے۔

نصوص

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے:

كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ فِي الرِّقَاعِ[1]

ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چرمی پارچوں میں قرآن کی تالیف کرتے۔

اس کے بارے میں امام بیہقی فرماتے ہیں:

يُشبه أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ بِهِ تَأْلِيفَ مَا نَزَلَ مِنَ الْآيَاتِ المتفرقة

1: مستدرک، ترمذی

فِي سُوَرِهَا وَجَمْعَهَا فِيهَا بِإِشَارَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

"اس کا مناسب مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے الگ الگ آیتوں کو ان کی سورتوں میں ترتیب سے جمع کرتے"۔

(۲) امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، ابن ابی داؤد، ابن الانباری، ابوعبید، نحاس، ابن حبان، ابونعیم، ابن مردویہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں:

قُلْتُ لِعُثْمَانَ: مَا حَمَلَكُمْ عَلَى أَنْ عَمَدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِي وَإِلَى بَرَاءَةٍ وَهِيَ مِنَ الْمِئِينَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوا بَيْنَهُمَا سَطْرَ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" وَوَضَعْتُمُوهما في السبع الطوال؟ فَقَالَ عُثْمَانُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنْزِلُ عليه السور ذوات الْعَدَدِ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ: ضَعُوا هَؤُلَاءِ الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا. وَكَانَتِ الْأَنْفَالُ مِنْ أَوَائِلِ مَا نَزَلَ في المدينة وَكَانَتْ بَرَاءَةٌ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نُزُولًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً بِقِصَّتِهَا فَظَنَنْتُ أَنَّهَا مِنْهَا فَقُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا أَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرَ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" وَوَضَعْتُهَا فِي السبع الطوال.[2]

۱: اتقان، ج:۱، ص:۵۹، نوع ۱۸

۲: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۱

میں نے حضرت عثمان سے عرض کیا آپ نے سورۂ انفال اور سورۂ براءت کے درمیان "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہ لکھ کر دونوں کو متّصل کیوں کر دیا؟ حالاں کہ انفال، **مثانی**[1] سے اور براءت **مئین**[2] سے ہے۔ اور پھر انھیں **سبع طوال**[3] میں کیوں شامل کر دیا؟---تو حضرت عثمان نے فرمایا رسول اللہ ﷺ پر متعدّد سورتیں نازل ہوتی رہتیں جب کوئی وحی نازل ہوتی تو حضور کسی کاتب وحی کو بلا کر حکم فرماتے کہ یہ آیات اس سورہ میں لکھ لو جس میں ایسا ایسا ذکر ہے---اور سورۂ انفال مدینہ میں ابتداءً نازل شدہ سورتوں سے تھی اور سورۂ براءت نزول میں قرآن کی آخری سورہ تھی اور مضمون دونوں سورتوں کا ملتا جلتا تھا رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور حضور نے ہم سے بیان نہ فرمایا کہ یہ سورہ اسی سے ہے اب میں نے مضمون کی یکسانی سے یہی سمجھا کہ سورۂ براءت سورۂ انفال ہی سے ہے اس لیے میں نے دونوں کو متّصل کر دیا۔ اور درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہ لکھی اور اسے میں نے سات لمبی سورتوں میں رکھا۔

حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کرکے فرمایا هذا حديث صحيح الاسناد اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔[4]

(۳) متعدّد احادیث سے رسول اللہ ﷺ کا مختلف سورتیں لوگوں کے سامنے پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت حذیفہ کی حدیث میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھنا مذکور ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی۔ نسائی کی روایت

۱: (۱/ تا ۳/ ایک قول پر) مثانی: مئین کے بعد کی سورتیں جو تعداد آیات میں مئین کے قریب اور ان کی ثانی ہیں۔
مئین: طوال کے بعد کی سورتیں کیوں کہ وہ تقریباً (مائۃ) سو آیات پر مشتمل ہیں۔
سبع طوال: سات لمبی سورتیں جن میں پہلی بقرہ اور آخری براءت ہے۔
۴: مستدرک ج:۲، ص:۲۲۱ و ۳۳۰

ہے کہ حضور نے فجر میں قد افلح پڑھی، جب حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا ذکر آیا تو حضور کو کھانسی آئی اور رکوع کر دیا، طبرانی کی روایت ہے کہ نماز صبح میں سورۂ روم کی قراءت فرمائی۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ جمعہ کے دن کی نماز فجر میں الم تنزیل اور ھل اتیٰ علی الانسان کی قراءت فرماتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ خطبہ میں سورۂ ق پڑھتے۔ مستدرک وغیرہ میں ہے کہ حضور نے جنوں کو سورۂ رحمٰن سنائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ کفار مکہ کو سورۂ والنجم سنائی اور آخر میں سجدۂ تلاوت کیا۔ مسلم میں ہے کہ عید وجمعہ میں ق کے ساتھ اقتربت کی بھی قراءت فرماتے۔

مستدرک میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ صف نازل ہوئی تو پوری سورہ حضور نے لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح مفصل (سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک) کی متعدّد سورتوں کا صحابۂ کرام کی موجودگی میں پڑھنا ثابت ہے یوں ہی اور بھی احادیث ہیں جن میں سرکار کا آیات کی باترتیب تلاوت یا چند آیات کے یک جا ذکر کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

جب مجمع صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ قراءتیں ہوئی ہیں تو یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ کرام اس کے علاوہ کسی اور ترتیب کی اختراع فرمائیں گے۔ یا اگر کوئی شخص ایسا کردے تو اسے تمام صحابہ مان لیں گے۔ پس عہد صدیقی کی تدوین اور اس پر تمام صحابہ کے عمل اور قبول عام سے یہ امر حد تواتر تک پہنچ جاتا ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

اجماع

متعدّد ائمۂ فن نے ترتیب آیات کے توقیفی ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، زرکشی برہان میں اور ابو جعفر بن زبیر مناسبہ میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ مؤخر الذکر کے الفاظ

یہ ہیں:

ترتیب الآیات واقع بِتَوْقِیفِهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرِهِ مِنْ غَیْرِ خِلَافٍ فِي هَذَا بَیْنَ الْمُسْلِمِینَ. [1]

بلااختلاف مسلمین یہ امر ثابت ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کی توقیف اوران کے حکم کے مطابق ہے۔

ابن حصار فرماتے ہیں:

تَرْتِیبُ السُّوَرِ وَوَضْعُ الْآیَاتِ مَوَاضِعَهَا إِنَّمَا كَانَ بِالْوَحْيِ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ: "ضَعُوا آیَةَ كَذَا فِي مَوْضِعِ كَذَا" وَقَدْ حَصَلَ الْیَقِینُ مِنَ النَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ بِهَذَا التَّرْتِیبِ مِنْ تِلَاوَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمِمَّا أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلَى وَضْعِهِ هَكَذَا في المصحف. [2]

سورتوں کی ترتیب اورآیات کوان کے مقام پر رکھنے کا کام وحی ہی کے ذریعہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ حکم دیتے تھے فلاں آیت فلاں جگہ لکھو یہ ترتیب رسول اللہ ﷺ سے نقل متواتر اور صحابہ کے اسی کو مصاحف میں اجماعاً ثبت رکھنے سے قطعی و یقینی ہوچکی ہے۔

امام مکی اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں:

تَرْتِیبُ الْآیَاتِ فِي السُّوَرِ بِأَمْرٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَیْهِ وسلم ولما لم یَأْمُرْ بِذَلِكَ فِي أَوَّلِ بَرَاءَةٍ تُرِكَتْ بِلَا بَسْمَلَةٍ. [3]

1: اتقان، ج:۱، نوع:۱۸، ص:۶۲

2: اتقان، ج:۱، ص:۶۳

3: اتقان، نوع، ۱۸، ص:۶۳

https://alislami.net

سورتوں میں آیات کی ترتیب حکم رسول اللہ ﷺ سے ہے اور چوں کہ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے کوئی حکم نہ دیا اس لیے وہ بغیر بسملہ ہی رہی۔

ان احادیث اور علمائے امت کی عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ آیات کی ترتیب توقیفی اور مطابق وحی ہے۔ دور صحابہ سے لے کر اس زمانے تک امت کا اسی ترتیب پر اجماع قائم ہے۔

سورتوں کی ترتیب

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اگرچہ جمہور کا خیال یہ ہے کہ یہ ترتیب صحابہ نے اپنے اجتہاد سے رکھی ہے۔ مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ ترتیبِ سُوَر بھی توقیفی اور تعلیم رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے مطابق ہے۔

محققین کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورتوں کے درمیان بھی ایک خاص ترتیب ضرور تھی اس لیے کہ حضور ﷺ کا مجمع صحابہ میں متعدّد سورتیں ایک ساتھ بترتیب خاص پڑھنا یا بتانا ثابت ہے۔ مثلاً مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

اقرأوا الزهراوين البقرة وآل عمران

دونوں روشن ترسورتیں بقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔

مصنّف ابن ابی شیبہ میں سعید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قرأ صلى الله عليه وسلم بالسبع الطوال في ركعة.

ساتوں لمبی سورتیں رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت میں پڑھیں۔

اسی میں ہے:

انه علیه الصلاۃ والسلام کان یجمع المفصل فی رکعۃ۔
حضور ﷺ مفصل ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے:

أنه ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا فَقَرَأَ: {قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ} وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ.

رسول اللہ ﷺ جب بستر پر آرام کے لیے تشریف لاتے تو اپنی ہتھیلیاں جمع کرتے پھر ان میں {قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ} اور معوذتین پڑھ کر دم کر لیتے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں:

انَّ كَثِيرًا مِنَ السُّوَرِ كَانَ قَدْ عُلِمَ تَرْتِيبُهَا فِي حَيَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالسَّبْعِ الطِّوَالِ وَالْحَوَامِيمِ وَالْمُفَصَّلِ.

بہت سی سورتوں کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں معلوم ہو چکی تھی، جیسے ساتوں لمبی سورتیں اور وہ سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے اور مفصل۔

ابن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں:

الْآثَارُ تَشْهَدُ بِأَكْثَرَ مِمَّا نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ عَطِيَّةَ وَيَبْقَى مِنْهَا قَلِيلٌ يُمْكِنُ أَنْ يَجْرِيَ فيه الخلاف.

ابن عطیہ نے جن سورتوں کا ذکر کیا ہے آثار ان سے زیادہ کی ترتیب معلوم ہو جانے پر شاہد ہیں۔ کچھ رہ جاتی ہیں جن میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

(۲) امام بیہقی مدخل میں فرماتے ہیں: كَانَ الْقُرْآنُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَتَّبًا سُوَرُهُ وَآيَاتُهُ عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ إِلَّا الْأَنْفَالَ وَبَرَاءَةَ لِحَدِيثِ عُثْمَانَ السَّابِقِ.[1]

۱: اتقان، نوع:۱۸، ص:۶۴، ج:۱

قرآن کی سورتیں اورآیات رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی ترتیب پر تھیں۔ صرف انفال اور براءت مستثنیٰ ہیں۔ جیساکہ حضرت عثمان کی گزشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

امام بیہقی کا یہ استثنا غیر صحیح ہے۔ حضرت عثمان کی حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تمام سورتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود تھا کہ فلاں فلاں مقام پر لکھی جائیں، مگر انفال وبراءت کے متعلق کوئی حکم نہ تھا۔ نہ سوال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ غرض ہے، نہ جواب حضرت عثمان کا یہ مقصود — حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اورانھوں نے ہمیں یہ نہ بتایا کہ سورۂ توبہ (براءت) انفال ہی میں شامل ہے یااس سے الگ ہے۔ اس جواب سے انھوں نے کنایۃً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے براءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا حکم نہ دیااس لیے نہ لکھی گئی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں، ابوجعفر نحاس نے ناسخ میں، سعید بن منصور نے سنن میں اور خود امام بیہقی نے بھی روایت کی ہے:

قال كانت الأنفال وبراءة تدعيان في زمن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم القرينتين، فلذلك جعلتهما في السبع الطوال.[1]

حضرت عثمان نے فرمایا انفال اور براءت کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں **قرینتین** (دونوں متّصل سورتیں) کہاجاتا، اسی لیے میں نے ان دونوں کو سبعِ طوال میں رکھا۔

دارقطنی اورابن ابی شیبہ نے عسعس بن سلامہ سے روایت کی ہے:

1: کنزالعمال، ج:۱، ص:۲۸۱

قال:قلت: لعثمان يا أمير المؤمنين ما بال الأنفال وبراءة ليس بينهما {بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيم} ؟ قال كانت تنزل السورة فلا تزال تكتب حتى تنزل {بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيم} فإذا جاءت {بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيم} كتبت سورة أخرى، فنزلت الأنفال ولم تكتب {بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيم}.[1]

انھوں نے فرمایا میں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا، اے امیرالمومنین انفال اور براءت کا کیا معاملہ ہے کہ دونوں کے بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ؟فرمایا سورت نازل ہوتی تو اس کی کتابت ہوتی رہتی یہاں تک کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہو، جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی تو دوسری سورہ لکھی جاتی مگر انفال نازل ہوئی تو اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی گئی۔(اس لیے کہ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہی نہ ہوئی۔)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے زمانے ہی سے براءت بعد انفال تھی۔ مگر دونوں کے درمیان چوں کہ بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لیے نہ لکھی گئی۔ البتہ انفال و توبہ کے درمیان فصل بسم اللہ نہ ہونے کے باعث براءت کو انفال سے ایک قسم کا تعلق واتصال اور مشابہت ہے۔ جیسے اجزا کو مجموعے سے مشابہت ہوتی ہے۔ یہ مطلب بھی نہیں کہ براءت حقیقۃً جزو انفال ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس سورہ کا علاحدہ نام نہ ہوتا۔

الغرض تمام سورتوں کے مقامات وہی ہیں جن میں وہ سورتیں ثبت ہیں اور سورتوں کے یہ مقامات رسول اللہ ﷺ سے بتواتر منقول ہیں۔ لہٰذا انفال و براءت کا معاملہ دوسری سورتوں سے مختلف کہنا اور ان کی ترتیب کو بجائے توقیفی کے اجتہادی

1: کنزالعمال:ج:۱،ص:۲۸۰

https://alislami.net

قرار دینا صحیح نہیں۔[1]

کنزالعمال کی روایت دیکھنے کے بعد ہی امام بیہقی کے استثنا کی عدم صحت میرے نزدیک واضح ہوگئی، پھر دیکھا کہ ملا بحرالعلوم نے فواتح الرحموت میں اسے تفصیلاً تحریر فرمایا ہے اس لیے ان ہی کے حوالے سے لکھنا مناسب سمجھا۔ والحمدللہ۔

(۳) فتح الباری میں علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى أن ترتيبها توقيفي مَا أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ عَنْ أَوْسِ بْنِ أَبِي أَوْسٍ عن حُذَيْفَةَ الثَّقَفِيّ قَالَ: كُنْتُ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ أَسْلَمُوا مِنْ ثَقِيفٍ (الْحَدِيثَ) وَفِيهِ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "طَرَأَ عَلَيَّ حِزْبٌ مِنَ الْقُرْآنِ فأردت ألا أَخْرُجَ حَتَّى أَقْضِيَهُ"، فَسَأَلْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا: كَيْفَ تُحَزِّبُونَ الْقُرْآنَ؟ قَالُوا نُحَزِّبُهُ ثَلَاثَ سُوَرٍ وَخَمْسَ سُوَرٍ وَسَبْعَ سُوَرٍ وَتِسْعَ سُوَرٍ وَإِحْدَى عَشْرَةَ وَثَلَاثَ عَشْرَةَ وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ مِنْ "ق" حَتَّى نَخْتِمَ.

ترتیب سُوَر کے توقیفی ہونے پر ایک دلیل وہ حدیث بھی ہے جو احمد اور ابوداؤد نے بطریق اوس بن ابی اوس حضرت حذیفہ ثقفی سے روایت کی ہے۔ انھوں نے کہا میں بنی ثقیف کے اس وفد میں تھا جو اسلام لایا۔ اسی طویل حدیث میں یہ حصہ ہے ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر قرآن کا ایک حصہ (قرآنی منزل) وارد ہوا میں نے چاہا کہ اسے پورا کرنے سے پہلے باہر نہ آؤں۔ ہم نے صحابۂ کرام سے دریافت کیا۔ آپ لوگ قراءت کے لیے کس طرح قرآن کی منزلیں مقرر کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا تین

۱: فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، از ملا بحرالعلوم عبدالعلی فرنگی محلی، ص: ۳۱۷، ج: ۲، مطبع نولکشور لکھنو ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء ذوالحجہ/جنوری

سورتیں، پانچ سورتیں، سات سورتیں، نو سورتیں، گیارہ سورتیں، تیرہ سورتیں، اور ایک حزب ق سے ختم تک اسی ترتیب سے قرآن ہم پڑھتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام عہد رسالت میں ختم قرآن کے لیے سات منزلیں مقرر کرتے تھے۔

پہلی منزل تین سورتوں پر مشتمل ہوتی، بقرہ، آل عمران، نساء، **دوسری منزل** پانچ سورتوں پر، مائدہ، انعام، اعراف، انفال، توبہ، **تیسری منزل** سات سورتوں پر، یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر، نحل، **چوتھی منزل** نو سورتوں پر، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مؤمنون، نور، فرقان، **پانچویں منزل**، گیارہ سورتوں پر، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمٰن، سجدہ، احزاب، سبا، فاطر، یٰس، **چھٹی منزل**، تیرہ سورتوں پر، صافات، ص، زمر، مؤمن، حم سجدہ، شوریٰ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، سورۂ محمد ﷺ، فتح، حجرات، اور **ساتویں منزل**، سورۂ ق سے آخر قرآن تک پر مشتمل تھی۔

منزلوں اور سورتوں کی یہ ترتیب بعینہ وہی ہے جو آج رائج ہے، اسی لیے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

فَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ تَرْتِيبَ السُّوَرِ عَلَى مَا هُوَ فِي الْمُصْحَفِ الْآنَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: ويحتمل أَنَّ الَّذِي كَانَ مُرَتَّبًا حِينَئِذٍ حِزْبُ الْمُفَصَّلِ خَاصَّةً بِخِلَافِ مَا عَدَاهُ.[1]

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ سورتوں کی جو ترتیب مصحف میں آج ہے وہی ترتیب عہد رسالت میں بھی تھی، ہاں یہ ممکن ہے کہ باضابطہ صرف منزل مفصل کی

۱: فتح الباری، ج:۹، ص:۳۶

https://alislami.net

ترتیب دی گئی ہو اور بقیہ کی اس وقت اس طرح باضابطہ تدوین و ترتیب نہ رہی ہو۔

(۴) متعدّد احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال ماہ رمضان میں حضرت جبرئیل کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرتے اور زندگی کے آخری رمضان میں دوبار قرآن کا دور کیا، تدوینِ صحابہ اُسی دورۂ اخیر کے مطابق ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

أَسَرَّ إِلَيَّ أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِي وَإِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِ بَيْتِي لملاقاتي.[1]

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے راز دارانہ فرمایا جبرئیل میرے ساتھ ہر سال ایک بار قرآن کا دور کرتے اس سال دوبار میرے ساتھ دور کیا ہے اس سے میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا وقت اجل قریب آچکا ہے اور میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔

صحیح بخاری، جامع ترمذی، اور سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَد مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنْ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

انھوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ خیر میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور ان کی

۱: بخاری، باب علامات النبوہ، ج:۱، ص:۵۱۲

سخاوت رمضان میں اور بھی زیادہ ہوتی، جب حضرت جبریل ان سے ملتے، حضرت جبرئیل ان سے رمضان کی ہر شب میں ملتے یہاں تک کہ رمضان ختم ہوجاتا، ان سے حضور ﷺ قرآن کا دور کرتے، توجب جبرئیل ان سے ملتے توان کا فیضان کرم، نفع عام کے لیے بھیجی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ ہوتا۔

امام بخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے:

قَالَ كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ.

حضور ﷺ کے ساتھ ہر سال قرآن کا ایک بار دور ہوتا، توجس سال سرکار نے وفات پائی دوبار **دورۂ قرآن** ہوا۔

امام احمد، ابن ابی داؤد، اور طبری نے بطریق عَبیدہ بن عَمرو سلمانی روایت کی ہے:

ان الذي جمع عليه عثمان الناس يوافق العرضة الأخيرة[1]

حضرت عثمان نے جس زبان وقرآن پر لوگوں کو جمع کیا ہے وہ دورۂ اخیرہ کے مطابق ہے۔

حاکم نے حضرت سمرہ سے بسند حسن روایت کی اور حاکم نے تواسے صحیح بتایا ہے:

عُرِضَ الْقُرْآنُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرضَاتٍ وَيَقُولُونَ إِنَّ قِرَاءَتَنَا هَذِهِ هِيَ الْعَرْضَةُ الْأَخِيرَةُ.

رسول اللہ ﷺ پر کئی بار قرآن کا دور ہوا، اور صحابہ بتاتے ہیں کہ ہماری یہ قراءت وہی آخری دورۂ قرآن والی ہے۔

ابن اشتہ نے حضرت ابن سیرین سے بھی حضرت ابن عباس وسمرہ کے ہم معنی روایت کی ہے۔ابن الانباری نے مصاحف میں ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی ہے کہ:

۱: فتح الباری، ج:۹، ص:۳۷

كان قراءة ابی بكر و عمر و عثمان و زيد بن ثابت و المهاجرين والانصار واحدة وهی التی قرأها ﷺ علی جبرئيل مرتين فی العام الذی قبض فيه۔ وكان زيد شهد العرضة الاخيرة وكان يقرئ الناس بها حتی مات ولذلك اعتمده الصديق فی جمعه وولاه عثمان كتبة المصاحف۔[1]

حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، زید بن ثابت، مہاجرین اور انصار کی قراءت ایک ہی تھی، اور یہ وہی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے سال وفات حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سامنے دوبار پڑھی۔ اور حضرت زید قرآن کے دورۂ اخیرہ میں حاضر تھے۔ اور لوگوں کو اپنی وفات تک وہی قراءت کراتے تھے اسی لیے حضرت صدیق نے اپنی تدوین میں ان پر اعتماد کیا، اور حضرت عثمان نے کاتبین مصاحف کا سربراہ ان ہی کو بنایا۔

ابوعبید نے داؤد بن ہند سے روایت کی ہے:

قَالَ قُلْتُ لِلشَّعْبِيِّ قَوْلُهُ تَعَالَى شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ أَمَا كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ فِي سَائِرِ السَّنَةِ قَالَ بَلَى وَلَكِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَيُحْكِمُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وينسخ ما يشاء فكان السر في عرضه مرتين في سنة الوفاة استقراره على ما كتب في المصحف العثماني والاقتصار عليه وترك ما عداه.[2]

"انھوں نے کہا: میں نے امام شعبی سے عرض کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا" تو کیا قرآن باقی سال میں نہیں اترتا تھا؟ انھوں نے فرمایا:

۱: قسطلانی ج:۷، ص:۳۵۹
۲: قسطلانی، ج:۷، ص:۳۶۴

کیوں نہیں، لیکن حضرت جبرئیل، نبی کریم ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان میں نازل شدہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا محکم فرماتا، اور جسے چاہتا منسوخ فرماتا، سال وفات دو بار دور ہونے میں یہی راز تھا کہ قرآن اسی پر مستقر ہوجائے جو بعد میں مصحفِ عثمانی میں لکھا گیا، اسی پر اقتصار ہو اور اس کے علاوہ کو ترک کر دیا جائے۔

(۵) علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی فرماتے ہیں:

وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ توقيفي كَوْنُ الْحَوَامِيمِ رُتِّبَتْ وِلَاءً وَكَذَا الطَّوَاسِينِ وَلَمْ تُرَتَّبِ الْمُسَبِّحَاتُ وِلَاءً بَلْ فُصِلَ بَيْنَ سُوَرِهَا وَفُصِلَ بَيْنَ طسم الشُّعَرَاءِ وَطسم الْقَصَصِ بطس مَعَ أَنَّهَا أَقْصَرُ مِنْهُمَا وَلَوْ كَانَ التَّرْتِيبُ اجْتِهَادِيًّا لَذُكِرَتِ الْمُسَبِّحَاتُ وِلَاءً، وَأُخِّرَتْ طس عَنِ الْقَصَصِ.[1]

ترتیب سُوَر کے توقیفی ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ **حٰمٓ** اور **طٰسٓمٓ** والی سورتیں مسلسل مرتب کی گئیں۔ مگر جن سورتوں کے شروع میں **سبح** کا کلمہ ہے وہ مسلسل نہیں، بلکہ ان میں فصل ہے۔ اور **طٰسٓمٓ شعراء** اور **طٰسٓمٓ قصص** کے درمیان **طٰسٓ نمل** رکھی گئی ہے حالاں کہ یہ **طٰسٓ** ان دونوں سے چھوٹی ہے۔ اگر ترتیب اجتہادی ہوتی تو مسبحات (کلمہ تسبیح والی سورتیں) مسلسل ہوتیں اور **طٰسٓ نمل** **طٰسٓمٓ قصص** کے بعد ہوتی۔

اسی معنی کے قریب علامہ قسطلانی نقل فرماتے ہیں:

قال بعضهم: لترتيب وضع السور في المصحف أشياء تطلعك على أنه توقيفي صادر عن حكيم.[2]

۱: اتقان، ج:۱، ص:۶۵

۲: ارشاد الساری، ج:۷، ص:۳۶۳

https://alislami.net

مصحف میں کتابت سور کی ترتیب پر کچھ ایسے شواہد ہیں جن پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ ترتیب توقیفی اور بلا شبہ ایک حکمت والے کی طرف سے صادر ہے۔

توقیفی ہونے پر یہ چند امور دال ہیں:

(۱) حروف کی یکسانیت، جیسے حم والی سورتوں میں۔

(۲) ہر سورہ کا شروع اس سے پہلی سورہ کے آخر سے معنوی موافقت رکھتا ہے جیسے الحمد کا آخر اور بقرہ کا شروع ایک دوسرے سے مناسبت رکھتا ہے۔

(۳) وزن لفظی کی مناسبت جیسے آخر تبت اور اول اخلاص۔

(۴) مجموعی طور پر بھی ایک سورہ دوسری سے مشابہت رکھتی ہے جیسے والضحی اور الم نشرح۔[1]

علامہ قسطلانی نے اس کے علاوہ مزید باتیں بھی بیان کی ہیں۔ اور آیات و سور کی باہمی مناسبت تفسیر کبیر وغیرہ میں تو ہر جگہ مفصل طور پر بیان کی گئی ہے۔

علامہ بقاعی کی اس موضوع پر مستقل تصنیف ہے نظم الدرر فی مناسبة الاٰی والسور جو آٹھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔

ان بیانات کا مفاد یہی ہے کہ ترتیب سُوَر توقیفی اور تعلیم رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے مطابق ہے۔ بعینہ یہی ترتیب لوح محفوظ کی بھی ہے۔

علامہ کرمانی برہان میں فرماتے ہیں:

تَرْتِيبُ السُّوَرِ هَكَذَا هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ وَعَلَيْهِ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُ عَلَى جِبْرِيلَ كُلَّ سَنَةٍ مَا كَانَ يَجْتَمِعُ عِنْدَهُ مِنْهُ وَعَرَضَهُ عَلَيْهِ فِي السَّنَةِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا مَرَّتَيْنِ وَكَانَ آخِرُ الْآيَاتِ نُزُولًا: {وَاتَّقُوا يَوْماً

۱: ارشاد الساری، ج:۷، ص:۳۶۳

تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللهِ} ، فَأَمَرَهُ جِبْرِيلُ أَنْ يَضَعَهَا بَيْنَ آيَتَيِ الرِّبَا وَالدَّيْنِ.[1]

سورتوں کی بعینہ یہی ترتیب لوح محفوظ میں بھی ہے۔ اور اسی ترتیب پر رسول اللہ ﷺ ہر سال جبریل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے جب جبریل حضور ﷺ سے رمضان میں ملتے اور اسی ترتیب پر وفات کے سال دوبار دورۂ قرآن فرمایا۔ سب سے آخر میں {وَاتَّقُوا يَوْماً تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ الآيَة} نازل ہوئی جسے حضرت جبریل نے آیت ربا اور آیت دَین کے درمیان رکھنے کو بتایا۔

جو لوگ ترتیب سُوَر کو اجتہادی بتاتے ہیں اُن کا عظیم استدلال یہ ہے کہ اگر ترتیب سُوَر اجتہادی نہ ہوتی تو مصاحف سلف میں اختلاف نہ ہوتا۔

مگر مصاحفِ سلف قرآن کے زمانۂ نزول کے --- اور آخری دورۂ قرآن سے پہلے کے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قرآن کی ترتیب آخری دورۂ قرآن کے موافق رکھی گئی۔ جو اس بارے میں اصل اور مرجع و معتمد ہے۔ پھر اسی ترتیب پر صحابۂ کرام کا اجماع ہو گیا۔ لہٰذا اس سے پہلے کا اختلاف اس ترتیب کے اجتہادی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اور اُس اختلاف کی بنیاد پر عہد عثمانی کی تدوین کے توقیفی ہونے کا انکار درست نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الأصح أن ترتيب السور توقيفي أيضا وإن كانت مصاحفهم مختلفة في ذلك قبل العرضة الأخيرة التي عليها مدار جمع عثمان.[2]

"صحیح تر یہی ہے کہ سورتوں کی بھی ترتیب توقیفی ہے۔ اگرچہ اُن کے مصاحف اُس

۱: اتقان، ج:۱، ص:۶۴

۲: مرقات، ج:۲، ص:۶۳۳

آخری دورۂ قرآن سے پہلے مختلف تھے جس پر تدوین عثمانی کا دارومدار ہے۔"

اور حضرت علی کا مصحف تو محض اس لیے مختلف تھا کہ انھوں نے ترتیب قراءت کے مطابق اُسے لکھا ہی نہ تھا، بلکہ اُسے ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا، تاکہ یہ پتا چل سکے کہ کون سی سورہ پہلے اور کون بعد میں نازل ہوئی۔ تو یہ ایک علمی ترتیب ہوئی واقعۃً اگر وہ ہوتا تو اُس سے ایک بڑا علم حاصل ہوتا۔ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت میں وہ کارآمد ہوتا۔ پھر مصحف عثمانی خود حضرت علی کا تائید یافتہ ہے۔ صحابۂ کرام کے ساتھ وہ بھی شریک اجماع ہیں۔

علامہ قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ ترتیب سُوَر کے اجتہادی اور توقیفی ہونے کے بارے میں علما کا اختلاف لفظی ہے۔ معنیً دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔

لأن القائل بالأول يقول إنه رمز إليهم ذلك لعلمهم بأسباب نزوله ومواقع كلماته، ولذلك قال الإمام مالك: وإنما ألفوا القرآن على ما كانوا يسمعونه من النبي صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

"اس لیے کہ اجتہادی کے قائل بھی یہی کہتے ہیں کہ ترتیب کا معاملہ صحابہ کے سپرد کر دیا گیا اس لیے کہ وہ قرآن کے اسباب نزول اور اس کے کلمات کے مواقع سے اچھی طرح واقف تھے۔ جب ہی تو امام مالک نے فرمایا۔ کہ صحابہ نے قرآن کی تدوین اسی طرح کی ہے جس طرح وہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کرتے تھے۔"

حالاں کہ امام مالک ترتیب سُوَر کے اجتہادی ہونے کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف محض لفظی ہے کہ توقیفی کے قائلین یہ بتاتے ہیں کہ صحابہ نے سورتوں کی ترتیب **حکم رسول** کے مطابق رکھی ہے۔ اور اجتہادی کے قائلین یہ بتاتے

۱: ارشاد الساری، ج:۷، ص:۳۶۳

ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم صریح نہ تھا۔ بلکہ سورتوں کی ترتیب کا معاملہ صحابہ پر چھوڑ دیا گیا تھا، اس لیے کہ صحابہ خود جانتے تھے کہ ہر سورہ اور قرآن کے ہر کلمہ کا مقام کہاں ہے کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت سن چکے تھے۔ چناں چہ اسی کے مطابق انھوں نے سورتوں کی ترتیب و تدوین رکھی۔ تو نتیجہ یہی نکلا کہ ترتیب سُوَر بہر حال محض اجتہادی نہیں بلکہ **حکم رسول یا قراءت رسول** علیہ الصلاۃ والسلام کے مطابق ہے۔

حضرت عثمان کا لقب جامع قرآن

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو **جامع قرآن** کہا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا وہ جامع قرآن نہیں۔ مگر تفصیلات جاننے والا بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ایسا بھی نہیں کہ جمعِ قرآن میں ان کا کوئی دخل ہی نہ ہو۔ جمع قرآن کے سلسلے میں ان کا بھی نمایاں کردار ہے۔ لہٰذا بالکلیہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سرے سے جامع قرآن ہی نہیں۔ جب خلقِ خدا قرن اول ہی سے ایک حقیقت کی بنیاد پر انھیں **جامع قرآن** کے لقب سے یاد کرتی آئی ہے تو سب کو خطا کار ٹھہرانا بھی مناسب نہیں۔ حضرت ذوالنورین بھی بلاشبہ اس لقب کے مستحق ہیں۔ لہٰذا انھیں اس لقب سے یاد کرنا صحیح ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کا اس سلسلے میں ایک رسالہ ہے **جمع القرآن وبم عَرَّوہ لعثمان** (۱۳۲۲ھ) اس میں فرماتے ہیں:

اصل جمع قرآن بحکم رب العزّۃ حسب ارشاد حضور پُر نور سید الانبیا ﷺ ہو لیا تھا سب سُوَر کا یک جا کرنا باقی تھا جو امیر المومنین صدیق اکبر نے بمشورہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا پھر اسی جمع فرمودہ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان غنی نے بمشورہ امیر المومنین مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلاد اسلام میں شائع کیے

اور تمام امت کو اصل لہجۂ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اسی وجہ سے وہ جناب جامع القرآن کہلائے ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالی شانہ ہے:

کما قال عز من قائل: ان علینا جمعه و قرآنه

(بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھنا)

اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین ﷺ اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسی رسالے میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

سُوَر قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک وِعا (ظرف) میں مجتمع ہوگئی تھیں اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے:

(۱) اُن مجموع (جمع کردہ) صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا۔

(۲) اُس مصحف کے نسخے معظم بلادِ اسلام، مملکتِ اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار، کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی، اصلی، مُنزّل من اللہ، ثابت مستقر، غیر منسوخ، محفوظ لہجے سے جدا تھے، دفع فتنہ کے لیے ان کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ حافظ حقیقی، جامع ازلی جل جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین، جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا---اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسبِ وعدۂ الٰہیہ تام و کامل ہوا۔ اس لیے اس جناب کو **جامع القرآن** کہتے ہیں۔

اعراب قرآن

خط عربی میں پہلے حرکات، سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا، اس لیے قرآن میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے۔ تعلمون، یعلمون، فتح، فتّح، سمُر، شمّر سب کی شکلیں یکساں ہوتیں۔ مگر یہ عرب کی قدرت زبان اور ان کے فہم کلام کا کرشمہ تھا کہ وہ ان سب کے بغیر اصلی حرف و حرکت کی تعیین کر لیتے اور صحیح پڑھتے، مصحف عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریبًا پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے۔ جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قراءت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہم شکل حروف میں امتیاز کرنے کے لیے علامات مقرر کی جائیں چناں چہ حضرت نصر بن عاصم لیثی نے نقطے ایجاد کیے۔ جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا، سب سے پہلے **با** اور **تا** پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوئے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کے لیے نور اور رونق ہیں۔ انھوں نے اس وقت اختتام آیت کی علامت بھی اولاً نقطے ہی سے مقرر کی۔ پھر موجودہ علامات ایجاد کیں۔

اعراب کی سب سے پہلے ایجاد کرنے والے **ابوالاسود دئلی** تابعی بصری ہیں--- جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقۂ آغاز پر علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی۔ انھوں نے ایک شخص کو ان اللّٰہ بریٔ من المشرکین ورسولہ (بکسرۂ لام) پڑھتے سنا (جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ بے شک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی بہت بڑی تھی انھوں نے فرمایا معاذ وجہ اللّٰہ اَن یبریٔ َمن رسولہ (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انھیں اعراب کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ جس کے بعد انھوں نے اعراب وضع کیا، مگر اس وقت زبر، زیر، پیش وغیرہ کی یہ

شکلیں نہ تھیں جو آج ہیں، انھوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا۔

فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لیے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا۔ بلکہ اس کے لیے مخالف رنگ کی روشنائی استعمال کرتے۔ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ، ضمہ کے لیے حرف کے اندر ایک نقطہ، اور تشدید کے لیے دو نقطے مقرر کیے۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید، مد، ہمزہ، جزم، وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں اور کسرہ، فتحہ، ضمہ، (زیر، زبر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

جب اعراب اور نقطوں کے بعد بھی لوگوں نے قراءت میں غلطیاں دیکھیں تو اس کے حل پر بھی غور کیا، مگر سوائے اس کے کوئی حل نظر نہ آیا کہ لوگ قرّا، علما اور حفاظ سے زبانی طور پر اصلاح اور تعلیم وتلقین حاصل کریں۔

پھر علمائے امت نے علم حروف، علم اعراب، فن تجوید، اور علم قراءاتِ مختلفہ میں باقاعدہ کتابیں لکھیں، تمام امور کی توضیح وتنقیح کی اور مشکلات کا ازالہ فرمادیا۔

قرآن الگ الگ سورتوں میں تو شروع ہی سے منقسم تھا، ایک حدیث گزری جس سے معلوم ہوا کہ سات منزلوں کی تعیین وتقسیم بھی عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ پاروں کی تقسیم حجاج ہی کے زمانے میں ہوئی۔ اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اسی نے حسن اور یحییٰ بن یعمر سے لگوائے۔ دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (ے) لگی ہوتی ہے۔ اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی، اس طرح کہ نماز تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کیا کرتے اس کے اختتام پر کنارے یہ علامت (ع) لگادی گئی۔ (۱)

۱: تفسیر روح البیان، از علامہ اسماعیل حقی، م ۱۱۳۷ھ ج:۹، ص:۹۹۔ آخر سورۂ حجرات مطبع عثمانیہ استنبول ۱۹۲۶ء/ تفسیر نعیمی از مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ م ۱۳۹۱ھ، مقدمہ۔

https://alislami.net

قرآن کی سورتوں، آیتوں اور کلمات و حروف کی تعداد

تمام معتبر لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں۔ آیتوں کے بارے میں ابو عمرو دانی ارشاد فرماتے ہیں کہ چھ ہزار آیات تو بالاجماع سب کہتے ہیں۔ زائد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن الضریس نے سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) آیتیں ہیں۔ اور تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حروف ہیں۔ ایک جماعت نے کلمات قرآن ستہتر ہزار نو سو چونتیس (۷۷۹۳۴) شمار کیے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم [1]

قرآن میں					
الف	۴۸۸۷۲	ب	۱۱۴۲۸	ت	۱۰۱۹۹
ث	۱۰۲۷۷	ج	۳۲۷۳	ح	۳۹۹۳
خ	۱۴۱۶	د	۵۶۴۲	ذ	۴۶۹۹
ر	۱۱۷۹۹	ز	۱۵۹۰	س	۵۸۹۱
ش	۲۲۵۳	ص	۲۰۱۳	ض	۱۶۰۷
ط	۱۲۷۴	ظ	۸۴۲	ع	۹۲۲۰
غ	۲۲۰۸	ف	۸۴۹۹	ق	۶۸۱۳
ک	۹۵۰۰	ل	۳۰۴۲۳	م	۲۶۱۳۵
ن	۲۶۵۶۰	و	۲۵۵۳۶	ہ	۱۹۵۷۰
لا	۴۷۲۰	ی	۲۵۹۱۹	کل حروف	۳۲۲۶۰۰

۱: اتقان ج:۱، نوع:۱۹، ص:۶۹ و ۷۲/ مفتاح السعادہ و مصباح السیادہ فی موضوعات العلوم، احمد بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ ج:۲، ص:۳۹۴ تا ۳۹۶

https://alislami.net

نقطے	۱۰۵۶۸۴	زبر	۵۳۲۴۳	زیر	۳۹۵۸۲
پیش	۸۸۰۴	مد	۱۷۷۱	تشدید	۱۲۵۳
کلمات	۷۷۴۳۶	سورتیں	۱۱۴	رکوعات	۵۴۰
آیات سجدہ	۱۴	اعشار کوفی	۴۲۳	اعشار بصری	۶۲۳
اخماس کوفی	۸۴۷	اخماس بصری	۱۲۴۶	آیات عامہ	۶۶۶۶
بستان العارفین از: فقیہ ابواللیث سمرقندی (م ۳۷۳ھ) بحوالہ استاذ قراءت شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ علیہما الرحمہ [1]					

ا: اعداد مندرجات کا فرق شمار کرنے والوں کے شمار میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اِس صفحہ پر جو نقشہ دیا گیا ہے وہ بھی صرف ایک شمار کے تحت ہے۔

https://alislami.net

فاتحۃ الکتاب

سورۂ فاتحہ سے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ اسے مصحف میں نہ لکھتے، ابوعبید نے بسند صحیح ابن سیرین سے روایت کی ہے:

قال كتب أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فِي مُصْحَفِهِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ وَاللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَاللَّهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَتَرَكَهُنَّ ابْنُ مَسْعُودٍ وَكَتَبَ عُثْمَانُ مِنْهُنَّ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ.(۱)

ابن سیرین نے فرمایا: ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب، معوذتین اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ اور اللَّهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ لکھیں۔ اور حضرت ابن مسعود نے یہ سب نہ لکھیں۔ اور حضرت عثمان نے ان میں سے صرف فاتحۃ الکتاب اور معوذتین لکھیں۔

عبد بن حُمید نے ابراہیم سے روایت کی:

قَالَ: كَانَ عبد الله لا يكتب فَاتِحَةَ الْكتاب فِي الْمُصحف وَقَالَ: لَو كتبتها لكتبت فِي أول كل شَيْء.(۲)

ابراہیم نے فرمایا عبداللہ بن مسعود فاتحۃ الکتاب مصحف میں نہ لکھتے اور فرماتے اگر میں اسے لکھتا تو بالکل شروع میں لکھتا۔

ان روایتوں سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحۃ الکتاب اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ انھیں قرآنیت فاتحہ میں کوئی شک رہا ہو، نہ ہی یہ کسی قابل ذکر شخصیت کا قول ہے۔ معوذتین کے بارے میں تو بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو ان کی قرآنیت سے انکار تھا لیکن سورۂ فاتحہ کے بارے میں وہ بھی یہی مانتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ

۱: اتقان، ج:۱، ص:۶۵، نوع:۱۹

۲: در منثور، ج:۱، ص:۱

قرآنیت فاتحہ کے قائل تھے۔ مثلاً ابن قتیبہ مشکل القرآن میں رقم طراز ہیں (واضح رہے کہ ابن قتیبہ معوذتین کے بارے میں حضرت ابن مسعود کی طرف انکار قرآنیت کی نسبت صحیح ماننے والوں میں سے ہیں):

وَأَمَّا إِسْقَاطُهُ الْفَاتِحَةَ مِنْ مُصْحَفِهِ فَلَيْسَ لِظَنِّهِ أَنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْقُرْآنِ مَعَاذَاللّٰهِ! وَلَكِنَّهُ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ الْقُرْآنَ إِنَّمَا كُتِبَ وَجُمِعَ بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ مَخَافَةَ الشَّكِّ وَالنِّسْيَانِ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ وَرَأَى أَنَّ ذَلِكَ مَأْمُونٌ فِي سُورَةِ الْحَمْدِ لِقِصَرِهَا وَوُجُوبِ تَعَلُّمِهَا عَلَى كُلِّ احد.[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے مصحف میں سورۂ فاتحہ نہ لکھنا اس گمان کی بنیاد پر نہیں کہ معاذاللہ وہ قرآن نہیں بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن کی کتابت وتدوین کی غرض یہ ہے کہ شک ونسیان اور کمی بیشی کا اندیشہ جاتا رہے اور سورۂ فاتحہ کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں کیوں کہ یہ مختصر ہے اور ہر شخص پر اس کا سیکھنا واجب ہے۔ (اس لیے اس کی قرآنیت میں کسی شبہہ کی گنجائش یا اس کے نسیان کا امکان نہیں، لہٰذا اس کے لکھنے کی ضرورت بھی نہیں)۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے قرآنیت فاتحہ میں کسی شک وشبہ کی گنجائش کیوں کر ہو سکتی ہے، جب کہ انھوں نے پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز میں اس کی قراءت سنی، خود بھی قراءت کی۔ خلفا وصحابہ سے بھی سنی پھر قراءت صحیحہ متواترہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ اس میں بھی سورہ فاتحہ موجود ہے۔ لہٰذا یہ امر بالکل قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ جزوقرآن ہے۔ اس پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ معوذتین کی بحث میں ضمنی طور پر سورۂ فاتحہ کا ذکر جابجا آرہا ہے۔ مگر یہ قول فیصل پیش نظر رکھیں۔

۱: اتقان، ج:۱، ص:۸۲

https://alislami.net

معوذتین کی قرآنیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث سے اس باب میں سخت خلجان پیدا ہوگیا ہے۔ مخالفین کو اعتراض کا موقع ملا، موافقین کو حیرت ہوئی اور ان کے اس سلسلے میں ظاہراً تین قول سامنے آگئے۔ یہ مبحث بسط و تفصیل کا متقاضی ہے اس لیے تفصیل مناسب۔

امام احمد اور ابن حبان کی روایت میں ہے:

عبداللّٰہ بن مسعود کان لا یکتب المعوّذتین في المصحف[1]

عبداللہ بن مسعود معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) اپنے مصحف میں نہ لکھتے۔

عبداللہ بن امام احمد نے زیادات مسند میں، اور ابن مردویہ نے بطریق اعمش، ابواسحٰق سے انھوں نے عبدالرحمٰن بن یزید نخعی سے روایت کی ہے:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقُولُ إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ.[2]

عبداللہ بن مسعود اپنے مصاحف سے معوذتین کھرچ دیتے، اور کہتے یہ دونوں **کتاب اللہ** سے نہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" میں مختلف روایات و طُرق کو یک جا کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اخرج أَحْمد وَالْبَزَّار وَالطَّبرَانِيّ وَابْن مرْدوَيْه من طرق

۱: فتح الباری، ج:۸، ص:۵۲۶

۲: فتح الباری، ج:۸، ص:۵۲۶/ارشاد الساری ج:۷، ص:۳۵۲/عمدۃ القاری، ج:۲۰، ص:۱۱

صَحِيحَة عَن ابْن عَبَّاس وَابْن مَسْعُود أَنه كَانَ يحك المعوّذتين من الْمُصحف وَيَقُول: لَا تخلطوا الْقُرْآن بِمَا لَيْسَ مِنْهُ إِنَّهُمَا ليستا من كتاب الله إِنَّمَا أَمر النَّبِي صلى الله تعالىٰ عَلَيْهِ وَسلم ان يتعوّذ بهما وَكَانَ ابْن مَسْعُود لَا يقْرَأ بهما.(۱)

امام احمد، بزار، طبرانی، ابن مردویہ نے بطرق صحیحہ حضرت ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین مصحف سے کھرچ دیتے اور فرماتے: قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو قرآن سے نہیں۔ یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف ان سے تعوذ کا حکم دیتے۔ ابن مسعود ان دونوں کی قراءت نہ کرتے۔

ان طرق وروایات سے حضرت ابن مسعود کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹا دیتے۔

(۲) وہ فرماتے قرآن کو اس سے مخلوط نہ کرو "جو قرآن سے نہیں"۔

(۳) معوذتین "کتاب اللہ" سے نہیں۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا ہے۔

(۵) حضرت ابن مسعود معوذتین کی قراءت نہ کرتے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان تمام طرق کے صرف "حسن" نہیں بلکہ صحیح ہونے کی صراحت کی فرمائی ہے۔

اقوال علما

اس بحث میں علما کے تین اقوال نظر آتے ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیت معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے

۱: در منثور، ج:۲، ص:۴۱۶ مطبوعہ بیروت عکس طبع المطبعۃ المیمنیۃ مصر ۱۳۱۴ھ

مگر صرف ان کے انکار سے قرآنیت معوذتین کے تواتر و قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۲) حضرت ابن مسعود کی طرف فاتحہ و معوذتین کے انکار قرآنیت کی نسبت بالکل غلط، باطل اور نامقبول ہے۔

(۳) روایات انکار صحیح ہیں مگر اُن میں انکار قرآنیت کا ذکر نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ مصحف میں انھیں لکھنے سے انکار کرتے تھے۔

قول اوّل

علامہ جلال الدین سیوطی اتقان میں ناقل ہیں:

وَقَالَ ابْنُ قُتَيْبَة فِي مُشكِلِ الْقُرْآنِ: ظَنَّ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ لَيْسَتَا مِنَ الْقُرْآنِ لِأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ بِهِمَا الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَأَقَامَ عَلَى ظَنِّهِ وَلَا نقول: إِنَّهُ أَصَابَ فِي ذَلِكَ وَأَخْطَأَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ.[1]

ابن قتیبہ مشکل القرآن میں لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود نے گمان کیا کہ معوذتین قرآن سے نہیں، اس لیے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ وہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معوذتین پڑھ کر دم کیا کرتے، تو وہ اپنے ظن پر قائم رہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس بارے میں صحیح خیال پر ہیں اور مہاجرین و انصار غلطی پر۔

اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب حضرت ابن مسعود معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تو قرآنیت معوذتین اجماعی و یقینی نہ رہی۔ علامہ جلال الدین سیوطی اس کا جواب ذکر فرماتے ہیں:

قَالَ الْبَزَّار: لم يُتَابع ابْن مَسْعُود أحد من الصَّحَابَة وَقد صَحَّ

۱: اتقان ج:۱، ص:۸۲

https://alislami.net

عَن النَّبِي صلى الله تعالىٰ عَلَيْهِ وَسلم أَنه قَرَأَ بهما فِي الصَّلَاة وأثبتتا فِي الْمُصحف.[1]

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ

(۱) حضرت ابن مسعود اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ بزار نے مسند میں بیان فرمایا کہ ایک صحابی نے بھی حضرت ابن مسعود کی یہ رائے نہ مانی۔

(۲) نبی کریم ﷺ سے بصحت ثابت ہے کہ انھوں نے نماز میں معوذتین کی قراءت فرمائی --- ظاہر ہے کہ نماز میں قراءت قرآن ہی کی ہو سکتی ہے غیر قرآن کی نہیں --- لہٰذا جب سرکار سے قرآنیت معوذتین ثابت تو حضرت ابن مسعود کے انکار کا کیا اثر؟

(۳) یہ دونوں سورتیں مصحف عثمانی میں ثبت کی گئیں۔ مصحف میں وہی چیز لکھی گئی ہے جس کا قرآنِ غیر منسوخ ہونا ثابت ہے۔ اس مصحف پر اجماع صحابہ قائم ہے۔ لہٰذا اس اجماعی مصحف میں کتابت معوذتین سے ان کی قرآنیت اجماعی ویقینی ہو گئی۔ اور اس مصحف کے بالمقابل تنہا حضرت ابن مسعود کا قول حجت نہیں۔

معوذتین کی قرآنیت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اس بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی کی ذکر کردہ احادیث سے ہم یہاں صرف وہ حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے **صراحۃً** قرآنیت معوذتین کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) امام احمد اور ابن ضریس نے بسند صحیح حضرت ابوالعلاء یزید بن عبداللہ بن شخّیر سے روایت کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (صحابی) نے کہا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اور لوگ باری باری سوار ہوتے، رسول اللہ ﷺ کے اور میرے اترنے کی باری آئی تو سرکار مجھ سے آملے، میرے کاندھے پر مار کر فرمایا

۱: در منثور، ج:۶، ص:۴۱۶

قل اعوذ برب الفلق میں نے کہا اعوذ برب الفلق۔ سرکار نے اسے پڑھا اوران کے ساتھ میں نے بھی پڑھا۔ پھر فرمایا قل اعوذ برب الناس سرکار نے اسے بھی پڑھا، اوران کے ساتھ میں نے پڑھا۔ فرمایا:

اذاانت صليت فاقرأ بهما

جب تم نماز پڑھو توان دونوں کی قراءت کرو۔

(۲) مسلم، ترمذی، نسائی، ابن الضریس، ابن الانباری، ابن مردویہ، نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أنزلت عَليّ آيَات، لم أر مِثْلهنَّ قطّ قل أعوذ بِرَبّ الفلق و قل أعوذ بِرَبّ النَّاس.

مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئیں جن کی مثل میں نے کبھی نہ دیکھیں۔ قل أعوذ بِرَبّ الفلق و قل أعوذ بِرَبّ النَّاس.

(۳) ابن ضریس، ابن الانباری، حاکم (بافادۂ تصحیح) ابن مردویہ اور بیہقی (فی الشعب) نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

انھوں نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اورابوا کے درمیان چل رہاتھاکہ ہم پر آندھی اور سخت تاریکی نے چھالیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس سے تعوذ کرنے لگے۔ اور فرمانے لگے اے عقبہ! تم بھی ان سے تعوذ کرو کہ کوئی تعوذ کرنے والا ان کے مثل سے تعوذ نہ کرپائے گا۔ فرماتے ہیں:

وسمعته يؤ منا بهما في الصلاة

میں نے سرکار کو نماز میں ان ہی دونوں سورتوں سے امامت کرتے سنا۔

(۴) ابن مردویہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انھوں نے فرمایا

کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَا عقبَة اقْرَأ ب "قل أعوذ بِرَبّ الفلق و قل أعوذ بِرَبّ النَّاس" فَإِنَّك لن تقْرَأ أبلغ مِنْهُمَا.

اے عقبہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی (نماز میں) قراءت کرو کہ تم ان دونوں سے بلیغ تر کی قراءت ہرگز نہ کروگے۔

سرکار نے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی قراءت کا حکم دیا۔ اگر یہ بعینہ قرآن کی سورتیں نہ ہوتیں تو بغیر قل کے اعوذ برب الفلق، اعوذ برب الناس پڑھنے کا حکم دیتے علاوہ ازیں **اقرأ به** عموماً قراءت نماز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ **اقراه** کہا جاتا ہے۔

(۵) ابن مردویہ نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی انھوں نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من أحب السُّور إِلَى اللّٰه قل أعوذ بِرَبّ الفلق و قل أعوذ بِرَبّ النَّاس.

اللہ کے نزدیک محبوب ترین سورتوں میں سے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔

(۶) ابن مردویہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔

فصلى الغداة فَقَرَأَ فِيهَا بالمعوذتين ثمَّ قَالَ: يَا معَاذ هَل سَمِعت قلت: نعم قَالَ: مَا قَرَأَ النَّاس بمثلهن.

تو سرکار نے نماز صبح پڑھی اور اس میں معوذتین کی قراءت فرمائی۔ پھر فرمایا۔ اے معاذ! تم نے سنا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا ان کے مثل سے لوگوں نے قراءت نہ کی۔

(۷)ابن ابی شیبہ، اور ابن الضریس نے عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ جب فجر طلوع ہوئی اذان واقامت کہی۔ پھر مجھے اپنے دائیں کھڑا کیا۔ پھر معوذتین کی قراءت کی۔ جب فارغ ہوئے فرمایا تم نے کیسا دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ میں نے دیکھا یارسول اللہ۔ فرمایا تو ان دونوں کو پڑھ لیا کرو۔ جب سوؤ اور جب اٹھو۔

اسی واقعہ اور اسی معنی کے قریب حاکم نے بھی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(۸) ابن الانباری نے حضرت قتادہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

اقْرَأ بقل أعوذ بِرَبّ الفلق و قل أعوذ بِرَبّ النَّاس فَإِنَّهُمَا من أحب الْقُرْآن إِلَى الله.

قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس کی قراءت کرو کہ یہ دونوں اللہ کے نزدیک محبوب ترین قرآن سے ہیں۔

(۹)ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انھوں نے بیان کیا کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بھوری مادۂ خچر ہدیہ کی اس میں ذرا سرکشی تھی۔ سرکار نے زبیر سے فرمایا۔ اس پر سوار ہوکر اسے رام کرو۔ حضرت زبیر ڈرے۔ سرکار نے فرمایا۔ اس پر سوار ہوؤ۔ اور قرآن پڑھو۔ عرض کیا، کیا پڑھوں؟ فرمایا قل اعوذ برب الفلق، قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ماقمت تصلی بمثلھا اس کے مثل کے ساتھ نماز نہ پڑھو گے۔

(۱۰)امام احمد نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا عقبَة بن عَامر أَلا أعلمك خير ثَلَاث سور أنزلت فِي التَّوْرَاة

والإنجيل وَالزَّبُور وَالْفرْقَان الْعَظِيم قلت بلَى جعلني الله فداءك قَالَ: فأقرأني {قل هُوَ الله أحد} و (قل أعوذ بِرَبّ الفلق) و (قل أَعُوذ بِرَبّ النَّاس) ثُم قَالَ: يَا عقبَة لَا تنساهن وَلَا تبت لَيْلَة حَتَّى تقرأهن.

اے عقبہ بن عامر کیا تمہیں توریت، انجیل، زبور اور فرقان عظیم میں نازل شدہ تین سورتوں میں سب سے بہتر نہ سکھادوں۔ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں مجھے اللہ آپ پر قربان کرے۔ بیان کیا کہ پھر سرکار نے مجھے قل ہواللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھائیں۔ پھر فرمایا عقبہ انھیں نہ بھولنا اور انھیں پڑھے بغیر کوئی رات بسر نہ کرنا۔

ان احادیث سے معوذتین کی قرآنیت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً انھیں جزو قرآن بتایا، کہیں نماز میں ان کی قراءت کا حکم دیا۔ نماز میں قراءت، قرآن ہی کی ہوتی ہے۔ کہیں انھیں سورہ، اور آیت فرمایا۔ یہ اطلاق جزو قرآن ہی کے لیے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت انکار صحیح مان لینے پر ایک اعتراض لازم آئے گا جسے امام فخرالدین رازی نے عقدۂ لاینحل فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم یہ کہیں کہ معوذتین کا قرآن ہونا حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھا تو اس کے منکر کی تکفیر لازم آئے گی۔ اور اگر یہ کہیں کہ معوذتین کی قرآنیت اس زمانے میں متواتر نہ تھی تو بعض قرآن کا غیر متواتر ہونا لازم آئے گا۔ مگر اس کا جواب دیا جاچکا ہے کہ معوذتین حضرت ابن مسعود کے زمانے میں متواتر تھیں مگر ان کے نزدیک متواتر نہ تھیں۔ اور اس وقت تک ان کی قرآنیت پر چوں کہ اجماع صحابہ قائم نہ ہوا تھا اس لیے یہ متواتر ضروریات دین سے نہ قرار پایا تھا۔ لہٰذا حضرت ابن مسعود کی تکفیر نہ لازم آئے گی---ہاں اگر آج

کوئی شخص ان کی قرآنیت سے انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

علامہ ابن حجر ناقل ہیں:

وَقد قَالَ ابن الصَّبَّاغ فِي الْكَلَام عَلَى مَانِعِي الزَّكَاةِ وَإِنَّمَا قَاتَلَهُمْ أَبُو بَكْرٍ عَلَى مَنْعِ الزَّكَاةِ وَلَمْ يَقُلْ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِذَلِكَ وَإِنَّمَا لَمْ يُكَفِّرُوا لِأَن الْإِجْمَاع لم يكن اسْتَقر قَالَ وَنَحْنُ الْآنَ نُكَفِّرُ مَنْ جَحَدَهَا قَالَ وَكَذَلِكَ مَا نقل عَن ابن مَسْعُودٍ فِي الْمُعَوِّذَتَيْنِ يَعْنِي أَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ عِنْدَهُ الْقَطْعُ بِذَلِكَ ثُمَّ حَصَلَ الِاتِّفَاقُ بَعْدَ ذَلِكَ.[1]

مانعین زکات پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن الصباغ نے فرمایا: حضرت ابوبکر نے مانعین سے منع زکات پر قتال تو کیا مگر یہ نہ کہا کہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ مانعین و منکرین زکات کی تکفیر اس لیے نہ کی گئی کہ اس وقت تک (باوجود فرضیت زکات کی قطعیت کے، اس کی فرضیت پر) اجماع قائم نہ ہوا تھا۔ ہاں آج ہم ہر اس شخص کو کافر کہیں گے جو زکات کا انکار کرے۔ ابن صباغ نے فرمایا: اسی طرح وہ جو حضرت ابن مسعود سے معوذتین کے بارے میں منقول ہے یعنی ان کے نزدیک اس کی قطعیت حاصل نہ تھی۔ پھر بعد میں اجماع قائم ہوا۔

یہی جواب علامہ ابن حجر ہیتمی (۸۵۱ھ - ۹۲۳ھ) نے **الاعلام بقواطع الاسلام** (ج:۲، ص:۶۲) میں ذکر کیا ہے۔ بہر حال انکار قرآنیت کی نسبت صحیح ماننے پر جو اعتراض قوی لازم آرہا تھا اس کا معقول و محقق جواب موجود ہے۔ پھر بھی یہ قول اول راقم کے نزدیک محل نظر ہے۔ آخر بحث میں اس پر کلام ہو گا۔ مگر یہاں اس قول کو بالاستیعاب ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف انکار قرآنیت کی نسبت

۱: فتح الباری ج:۸، ص:۵۲۶

صحیح مان لینے کے بعد بھی قرآنیت معوذتین کے اجماعی اور متواتر ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انکار کو سند بناکر قرآن میں نقص نمائی کی کوشش بہرحال ناکام ہے۔

مخالفین کا جواب تو اتنے ہی سے مکمل ہوجاتا ہے مگر موافقین کی تسکین اوراس بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موقف واضح کرنے کے لیے اگلی بحث ضروری ہے۔

قول ثانی

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں:

نُقِلَ فِي الْكُتُبِ الْقَدِيمَةِ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يُنْكِرُ كَوْنَ سُورَةِ الْفَاتِحَةِ مِنَ الْقُرْآنِ، وَكَانَ يُنْكِرُ كَوْنَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ، وَاعْلَمْ أَنَّ هَذَا فِي غَايَةِ الصُّعُوبَةِ، لِأَنَّا إِنْ قُلْنَا إِنَّ النَّقْلَ الْمُتَوَاتِرَ كَانَ حَاصِلًا فِي عَصْرِ الصَّحَابَةِ بِكَوْنِ سُورَةِ الْفَاتِحَةِ مِنَ الْقُرْآنِ فَحِينَئِذٍ كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ عَالِمًا بِذَلِكَ فَإِنْكَارُهُ يُوجِبُ الْكُفْرَ أَوْ نُقْصَانَ الْعَقْلِ، وَإِنْ قُلْنَا إِنَّ النَّقْلَ الْمُتَوَاتِرَ فِي هَذَا الْمَعْنَى مَا كَانَ حَاصِلًا فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ فَهَذَا يَقْتَضِي أَنْ يُقَالَ إِنَّ نَقْلَ الْقُرْآنِ لَيْسَ بِمُتَوَاتِرٍ فِي الْأَصْلِ وَذَلِكَ يُخْرِجُ الْقُرْآنَ عَنْ كَوْنِهِ حُجَّةً يَقِينِيَّةً، وَالْأَغْلَبُ عَلَى الظَّنِّ أَنَّ نَقْلَ هَذَا الْمَذْهَبِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ نَقْلٌ كَاذِبٌ بَاطِلٌ، وَبِهِ يَحْصُلُ الْخَلَاصُ عَنْ هَذِهِ الْعُقْدَةِ.[1]

پرانی کتابوں میں منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ فاتحہ اور معوذتین

۱: مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) ج:۱، ص:۲۱۸

کے قرآن ہونے سے انکار کرتے تھے، یہ انتہائی مشکل مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے جزوقرآن ہونے پر عہد صحابہ میں نقل متواتر حاصل تھی تو حضرت ابن مسعود اس سے باخبر ہوں گے۔ پھران کے انکار سے کفریاکم عقلی لازم آتی ہے۔ اوراگر ہم یہ کہیں کہ اس بارے میں اس وقت نقل متواترنہ تھی تواس کامطلب یہ ہے کہ ابتدا میں قرآن کی نقل، متواتر نہیں۔ جب توقرآن یقینی حجت نہ رہ جائے گا اورزیادہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مذہب کی نقل جھوٹی اور باطل نقل ہے---یہی ماننے سے یہ عقدہ حل ہوسکے گا۔

ملاعلی قاری علیہ الرحمۃ شرح شفامیں ناقل ہیں:

قال النووي في شرح المهذب أجمع المسلمون على أن المعوذتين والفاتحة وسائر السور المكتوبة في المصحف قرآن وأن من جحد شيئا منها كفر وما نقل عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه في الفاتحة والمعوذتين باطل ليس بصحيح. قال ابن حزم في أول كتابه المحلى هذا كذب على ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه.[1]

علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایاکہ مسلمانوں کااس بات پر **اجماع** ہے کہ معوذتین، فاتحہ اور مصحف میں لکھی ہوئی تمام سورتیں قرآن ہیں اور جوان میں سے کسی کامنکر ہوکافرہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں جو منقول ہے، وہ باطل ہے صحیح نہیں۔ ابن حزم نے اپنی کتاب **مُحلّٰی** کے شروع میں کہاکہ یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دروغ وافترا ہے۔

امام رازی نے فرمایا: اس مذہب کو حضرت ابن مسعود سے نقل کرناغلط اور باطل ہے، امام نووی نے فرمایا حضرت ابن مسعود سے فاتحہ اور معوذتین کے بارے میں

1: شرح شفا، ج:۲، ص:۵۵۱

جو نقل کیا گیا ہے باطل و غیر صحیح ہے۔ ان عبارتوں میں تین معانی کا احتمال ہے:

(۱) وہ روایات جو آغاز بحث میں ذکر ہوئیں باطل و غیر صحیح ہیں۔

(۲) روایاتِ مذکورہ باطل و غیر صحیح نہیں بلکہ وہ روایات باطل ہیں جن میں صراحتہً یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود قرآنیتِ معوذتین کے منکر تھے۔

(۳) صدر بحث میں ذکر شدہ روایات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابن مسعود سے متعلق انکار قرآنیت کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے، یہ نقلِ مذہب باطل و کاذب ہے۔

(الف) اگر پہلا معنی ہی ان عبارتوں کی مراد ہے تو یقیناً یہ قابل قبول نہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ اس لیے کہ روایات صحیح ہیں انھیں باطل قرار دینے کے لیے کوئی سند اور دلیل چاہیے۔ بلا دلیل روایات صحیحہ میں طعن کرنا کوئی علمی طریقہ نہیں۔

(ب) اگر دوسرا معنی ان عبارتوں کا مقصود ہے تو یہ ضرور قابل قبول ہے مگر کہیں اُن روایات کا ذکر بھی کرنا چاہیے کہ وہ روایات جن میں صراحتہً یہ ذکر ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے منکر تھے وہ یہ ہیں۔ اور یہی باطل و کاذب ہیں۔

(ج) اگر تیسرا معنی مراد ہے تو یہ بالکل بے غبار ہے۔ اس لیے کہ اس تقدیر پر مذکورۃ الصدر روایات میں ہرگز کوئی طعن نہیں۔ طعن صرف ان لوگوں پر ہے جو **مذہب انکار قرآنیت** کے ناقل ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ طعن صرف اس نقل مذہب پر ہے۔ ورنہ مذکورۃ الصدر روایات کو یہ حضرات (امام رازی و امام نووی) بھی صحیح مان کر ان کا کوئی قابل قبول حل نکالتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ عبارات مذکورہ میں کون سا معنی راجح اور قوی ہے۔ اس پر تھوڑی بحث قول ثالث کے بعد ملاحظہ کیجیے۔

قول ثالث

علامہ ابن حجر وغیرہ بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ تَأَوَّلَ الْقَاضِي أَبُو بَكْرٍ الْبَاقِلَّانِيُّ فِي كِتَابِ الِانْتِصَارِ وَتَبِعَهُ عِيَاضٌ وَغَيْرُهُ مَا حُكِيَ عَنِ ابن مَسْعُود فَقَالَ لم يُنكر ابن مَسْعُودٍ كَوْنَهُمَا مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنَّمَا أَنْكَرَ إِثْبَاتَهُمَا فِي الْمُصْحَفِ فَإِنَّهُ كَانَ يَرَى أَنْ لَا يَكْتُبَ فِي الْمُصْحَفِ شَيْئًا إِلَّا إِنْ كَانَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ فِي كِتَابَتِهِ فِيهِ وَكَأَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْهُ الْإِذْنُ فِي ذَلِكَ قَالَ فَهَذَا تَأْوِيلٌ مِنْهُ وَلَيْسَ جَحْدًا لِكَوْنِهِمَا قُرْآنًا.

حضرت ابن مسعود سے نقل شدہ روایت کی قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں تاویل کی ہے۔ اور قاضی عیاض وغیرہ (جلیل القدر علما) نے بھی ان کا اتباع کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین کے جزو قرآن ہونے کا انکار نہ کیا۔ بلکہ انھیں مصحف کے اندر صرف کتابت معوذتین سے انکار تھا۔ اس لیے کہ وہ یہ رائے رکھتے تھے کہ مصحف میں بس وہی چیز لکھی جائے جسے مصحف میں لکھنے کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے۔ گویا انھیں اس بارے میں حضور ﷺ کی اجازت کا علم نہ ہوا۔ پس اس معنی کے پیش نظر انھیں قرآن میں معوذتین کے صرف لکھنے سے انکار تھا۔ ان کی قرآنیت سے انکار نہ تھا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں وھو تاویل حسن قاضی ابوبکر باقلانی کی یہ تاویل عمدہ تاویل ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

إِلَّا أَنَّ الرِّوَايَةَ الصَّحِيحَةَ الَّتِي ذَكَرْتُهَا تَدْفَعُ ذَلِكَ حَيْثُ جَاءَ فِيهَا: وَيَقُولُ: إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ" نعم يُمْكِنُ حَمْلُ لَفْظِ

كِتَابِ اللّٰهِ عَلَى الْمُصْحَفِ فَيَتمشى التَّأْوِيلُ الْمَذْكُورُ.[1]

مگر وہ صحیح روایت اس تاویل کے برخلاف ہے جو میں نے ذکر کی۔ کیوں کہ اس میں یہ آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود کہتے تھے کہ یہ دونوں (معوذتین) کتاب اللہ سے نہیں۔ ہاں اگر **کتاب اللہ** سے **مصحف** مراد لے لیا جائے تو تاویل مذکور چل سکتی ہے۔

قول ثانی و ثالث میں تطبیق

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل شدہ انکار میں ظاہراً یہ دو قول ہو گئے، ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف نسبتِ انکار باطل و مردود ہے۔ اور دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب روایات صحیحہ سے انکار ثابت ہے تو روایات صحیحہ میں طعن بے جا ہے۔ نسبت انکار صحیح ہے مگر یہ انکار، انکار قرآنیت ہرگز نہ تھا بلکہ انکارِ کتابت تھا۔

قول ثانی کے بعد راقم نے یہ لکھا کہ مذکورہ عبارات ائمہ میں تین معانی کا احتمال ہے۔ انھیں پیش نظر رکھ کر آپ دیکھیں کہ جب قول ثانی کا پہلا معنی لیا جائے تو بلاشبہ یہ قول ثالث کے خلاف ہوگا جس طرح کہ قول ثانی و ثالث دونوں ہی قول اول کے معارض ہیں۔ لیکن اگر قول ثانی کا دوسرا یا تیسرا معنی لیا جائے تو یہ قول ثالث کے معارض ہرگز نہ ہوگا بلکہ دونوں ایک قول ہو جائیں گے۔ کیوں کہ اس معنی پر اصحاب قولِ ثانی نے بھی روایات صحیحہ (مذکورۃ الصدر) کو صحیح تسلیم کیا۔ اور یقیناً انھیں بھی ان کی وہی تاویل کرنی ہوگی جو اصحاب قول ثالث نے کی۔ اور ابطال و تغلیط کا تعلق دوسری روایات باطلہ سے ہوگا یا اُن لوگوں سے، جو یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو قرآنیتِ معوذتین سے انکار تھا۔ اس تطبیق کی روشنی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملی۔ وہ علامہ نووی کا قول **انه كذب عليه** (ای ابن مسعود) اور اس کا رد نقل کر کے تحریر

۱: فتح الباری، ج:۸، ص:۵۲۶

فرماتے ہیں:

قلت يحمل قول النووي أنه كذب عليه على إنكار أصل القرآنية فيكون مقبولا لا مردودا وهو الظاهر.[1]

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی طرف اصل قرآنیت کے انکار کی نسبت غلط اوران پر دروغ ہے جب علامہ نووی کے قول کا یہ معنی ہوگیا، توان کا قول مقبول ہوگا، مردود نہیں۔ اور یہی ظاہر ہے۔

یعنی حضرت ابن مسعود کی طرف انکار کتابت کی نسبت باطل وغلط نہیں۔ بلکہ ان کی طرف انکار قرآنیت کا انتساب باطل وغلط اوران پر دروغ ہے۔ اور یہی معنی علامہ نووی سے متوقع بھی ہے۔ ورنہ ایسے عظیم الشان عالم حدیث اور عارف اسانید سے یہ قطعًا بعید ہے کہ وہ روایات صحیحہ میں طعن کریں اورانھیں باطل وغلط ٹھہرائیں۔

جب ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے علامہ نووی کے ارشاد کا یہ مطلب بتایا ہے توابن حزم کی عبارت میں بھی یہ تاویل ہوسکتی ہے۔ اور امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت سے تواس کا واضح اشارہ ملتا ہے۔ اس لیے کہ اخیر میں ان کے الفاظ یہ ہیں:

وَالاَغلب عَلَى الظَّنِّ أَنَّ نَقْلَ هَذَا الْمَذْهَبِ عن ابن مسعود نَقْلٌ كاذبٌ.

زیادہ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مذہب کی نقل جھوٹی نقل ہے۔

امام رازی نے یہاں انکار کتابت کی نسبت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب انکار قرآنیت بتانے کو بالکل غلط اور جھوٹی نقل قرار دیا ہے۔

امام فخرالدین رازی کی ایک اور عبارت انکار کتابت کے اعتراف میں بالکل صریح

1: مرقات، ج:۱، ص:۵۳۳

ہے۔ اُسے پیش نظر رکھیں تو قول ثانی و ثالث بلکہ خود امام رازی کی دونوں عبارتوں میں تطبیق زیادہ ضروری ہے۔ اور واضح بھی۔ فرماتے ہیں:

وَأَيْضًا فَقَدْ نُقِلَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه حَذْفُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ وَحَذْفُ الْفَاتِحَةِ عَنِ الْقُرْآنِ وَيَجِبُ عَلَيْنَا إِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِ، وَأَنْ نَقُولَ: إِنَّهُ رَجَعَ عَنْ هَذَا الْمَذْهَبِ.(۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ قرآن (یعنی مصحف) سے معوذتین، اور سورۂ فاتحہ حذف کردیتے۔ ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کے بارے میں نیک گمان رکھیں اور یہ کہیں کہ انھوں نے اس مذہب سے رجوع کرلیا۔

حاصل یہ کہ قرآنیت معوذتین کے منکر تو کبھی نہ تھے۔ مصحف میں لکھنے سے ابتداءً انھیں انکار تھا لیکن جب مصحف عثمانی میں یہ سورتیں لکھی گئیں۔ اور اس پر اجماع صحابہ قائم ہوا تو وہ مصحف میں لکھنے کے بھی قائل ہوگئے، اور اپنے پہلے مذہب (انکار کتابت) سے رجوع کرلیا۔

جب قول ثانی کے تحت ذکر شدہ علامہ نووی وامام رازی وغیرہما کی عبارتوں میں ایک مناسب معنی کا احتمال قوی موجود ہے۔ اور قرائن وشواہد بھی اس کی تائید کررہے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان عبارتوں کا خلافِ قرائن ایسا معنی لیا جائے جس پر یہ الزام عائد ہو کہ ان حضرات نے روایات صحیحہ میں طعن کیا۔ اور ان عبارتوں کی بنیاد پر قول اول وثالث کے علاوہ ایک اور قول نکالا جائے۔ مذکورہ معقول توجیہ کو کیوں نہ اختیار کیا جائے جس سے مؤخرالذکر دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہوجائے۔ اور اعتراضات بھی اٹھ جائیں۔ نہ حضرت ابن مسعود پر کسی سورہ کی قرآنیت سے انکار کا الزام عائد ہو، اور نہ ان علما پر اسانید صحیحہ میں طعن اور روایات صحیحہ کے انکار کا اعتراض ہو۔

۱: تفسیر کبیر، ج:۱، ص:۲۱۳

علامہ محب اللہ بہاری علیہ الرحمۃ کی ایک عبارت سے بھی اس تطبیق کی تائید ہوتی ہے۔ مُسلَّم الثّبوت میں فرماتے ہیں:

وما نقل عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالی عنه من انکار المعوذتین والفاتحة فلم یصح وانما صح خلو مصحفه عنها.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معوذتین اور فاتحہ کا جو انکار منقول ہے وہ صحیح نہیں۔ البتہ ان کے مصحف کا ان سورتوں سے خالی ہونا صحیح ہے۔

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ یہاں دو قسم کی نقلیں ہیں۔ ایک وہ جس میں انکار قرآنیت کا ذکر ہے۔ وہ غلط ہے اور ایک وہ جس میں عدم کتابت کا ذکر ہے۔ وہ صحیح ہے۔

بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

ومن أسند الانکار إلی ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالی عنه فلا یعبأ بسنده عند معارضة هذه الاسانید الصحیحة بالإجماع والمتلقاة بالقبول عند العلماء الکرام بل والأمة کلها کافة فظهر أن نسبة الانکار إلی ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالی عنه باطل.[1]

جس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار کی نسبت کی، اس کی سند کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ وہ ان سندوں کے معارض ہے جو بالاجماع صحیح ہیں اور علمائے کرام بلکہ تمام امت کے نزدیک مقبول بھی۔ تو ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت انکار باطل ہے۔

ان تفصیلات سے روشن ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے منکر نہ تھے۔ صرف کتابت سے انھیں انکار تھا۔ پھر عہد عثمانی میں مصحف پر اجماعِ صحابہ

1: فواتح الرحموت، ج:۲، ص:۳۱۵

قائم ہونے کے بعد انھوں نے اس سے بھی رجوع کرلیا۔

قول اوّل پر تنقید

حضرت ابن مسعود کی طرف قرآنیت معوذتین کے انکار کی نسبت صحیح ہے۔ یہ قول تفصیلاً گزر چکا، اسے وہاں ہم نے محل نظر قرار دیا۔ اب یہاں پوری وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ یہ قول سرے سے صحیح نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداءً معوذتین مصحف میں نہ لکھیں، یہ تسلیم ہے، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ انھیں معوذتین کی قرآنیت سے انکار رہا ہو۔ اس دعوے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر سال ماہ رمضان میں مسجد نبوی کے اندر باقتدائے امام نماز تراویح ادا کرتے، امام نماز تراویح میں معوذتین کی قراءت کرتے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کبھی انکار نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نسبت انکار غلط ہے۔[1]

(۲) امام عاصم کی قراءت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتواتر منقول ہے اس میں معوذتین اور سورۂ فاتحہ شامل ہیں۔ جس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ و قول یہی تھا کہ معوذتین قرآن ہیں۔

حضرت امام عاصم کی سند یہ ہے۔ عاصم، ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی وابو مریم زِرّ بن حُبیش اسدی وسعید بن عیاش شیبانی، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۳-الف) امام حمزہ (امام عاصم کی طرح یہ بھی قرائے سبعہ سے ہیں) کا سلسلۂ سند

۱: فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ج:۲، ص:۳۱۴، از بحر العلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی مطبوعہ نولکشور لکھنو، ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ/جنوری ۱۸۷۸ء

https://alislami.net

بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اس میں بھی معوذتین اور سورۂ فاتحہ ہیں۔ ان کی سند یہ ہے:

حضرت حمزہ، اعمش ابو محمد سلیمان بن مہران۔ یحییٰ بن وثاب، علقمہ واسود وعبید بن نضلہ خزاعی۔ وزِر بن حُبیش وابو عبدالرحمٰن سلمی، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ب) امام حمزہ کی ایک دوسری سند یہ ہے:

حضرت حمزہ، ابواسحاق سبیعی و محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ وامام جعفر صادق۔ علقمہ ابن قیس وزر بن حبیش وزید بن وہب ومسروق۔ منہال ودیگر حضرات۔ ابن مسعود وامیر المومنین علی کرم اللہ وجہہما۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۴) امام کسائی کی سند بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے اس لیے کہ امام کسائی نے امام حمزہ سے قراءت حاصل کی ہے۔ یوں ہی امام خلف (جو قراے عشرہ سے ہیں) کی سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے سلیم سے اور سلیم نے امام حمزہ سے قراءت حاصل کی ہے۔

قراے عشرہ کی سندیں اجماعی اور امت کے درمیان قبول یافتہ ہیں۔ لہٰذا جب صحیح سندوں سے ثابت ہو گیا کہ امام عاصم، امام حمزہ، امام کسائی، امام خلف سب کی سندیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہیں، اور ان سب قراءتوں میں فاتحہ اور معوذتین جزو قرآن ہیں تو بلاشبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انکار قرآنیت کا انتساب غلط اور باطل ہے۔

اس تفصیل سے ایک عقدہ یہ بھی حل ہو گیا، کہ جس ترتیب پر آج قراءتِ قرآن ہو رہی ہے یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس لیے کہ قراے عشرہ نے (جن کی سندیں صحیح تر اور اجماعی ہیں) اپنی قراءتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں اور اس ترتیب پر قراءت فرمائی ہے۔ اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان کے شیوخ

نے انھیں اسی طرح پڑھایا۔ اور شیوخ کے شیوخ نے شیوخ کو اسی طرح پڑھایا۔ یوں ہی رسول اللہ ﷺ تک۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف قراءت شاذہ مثلاً متتابعات، کا انتساب صحیح نہیں ہے کیوں کہ انھوں نے اسے بطور قران نقل نہ کیا۔ اگر وہ قرآن ہوتی تو ان قراءتوں میں (جن کا سلسلۂ اسناد حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوتا ہے) اس کی قراءت ہوتی۔ حضرت ابن مسعود نے اپنے مصحف میں متتابعات بطور تفسیر لکھا۔ اور راوی کو وہم ہوا کہ یہ ان کے نزدیک قرآن ہے یا پہلے قرآن تھا پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔ (۱)

(۵) طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لقد أنزل عليَّ آيات لم ينزل عَليّ مِثْلهنَّ المعوّذتين. (۲)

مجھ پر چند ایسی آیات نازل ہوئیں جیسی مجھ پر نازل نہ ہوئیں وہ معوذتین ہیں۔

اس حدیث میں بھی معوذتین کو رسول اللہ ﷺ نے آیات کہا، آیت کا اطلاق قرآن ہی کے لیے ہوتا ہے۔ دعاؤں کے لیے نہیں۔ لہٰذا جس طرح دیگر صحابہ کی روایات سے معوذتین کی قرآنیت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی معوذتین کا قرآن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ اصول مسلّمہ سے ہے کہ صحابی کا اپنی روایت کردہ حدیث پر اعتقاد ضروری ہے بشرطے کہ سرکار سے اس کا کوئی ناسخ اس کے نزدیک ثابت نہ ہو۔ اس اصول کے تحت ماننا ہوگا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنیت معوذتین کے قائل ضرور تھے۔

۱: فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ص:۳۱۴و۳۱۵، ج:۲

۲: در منثور

روایات انکار کی تنقیح

البتہ یہاں یہ سوال ہوگا کہ ان صحیح روایات کا کیا جواب ہے جن سے قول اول والوں نے انکار قرآنیت کا استدلال کیا ہے اس کے جواب میں ہم دو طریق اختیار کر سکتے ہیں:

(۱) یہ کہ ان قراءات صحیحہ متواترہ کو ہم اصل قرار دیتے ہوئے دیگر روایات کو ان ہی پر محمول کریں اور تطبیق دیں۔

(۲) اگر تطبیق نہ ہو سکے تو روایات انکار میں انقطاع باطنی مانیں اس لیے کہ یہ فنِّ اصول میں ثابت ہے کہ جب ثقہ راویوں کی روایات حدیث مشہور کے خلاف ہوں تو حدیث مشہور کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے خلاف روایات غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔ [1]

اس زمانے کے بعض نام نہاد محققین نے یہاں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ روایاتِ انکار کے تمام راویوں پر جرحیں لکھ ماری ہیں یہاں تک کہ جلیل القدر تابعی سلیمان بن مہران الاعمش کو شیعی قرار دیا ہے۔ کتب رجال میں **فیہ تشیع** دیکھا اور انھیں شیعی لکھ دیا۔ جبکہ اِس زمانے میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں اور **سلف میں جو تمام خلفاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا، شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے۔ حالاں کہ یہ مسلک بعض علماے اہل سنت کا تھا۔ اسی بنا پر متعدّد ائمۂ کوفہ کو شیعہ کہا گیا۔ بلکہ کبھی محض غلبۂ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالاں کہ یہ محض سنیت ہے۔** [2]

۱: نورالانوار وغیرہ

۲: فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۱۹

یہ ایک عام طریقہ ہے کہ جو حدیث اپنے مطلب کے خلاف نظر آئی اس کا کوئی قابل قبول حل نکالنے کی بجاے میزان، تہذیب، تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کھول کر اس حدیث کے رواۃ پر جتنی جرحیں ملیں سب نقل کر کے ثقہ رُواۃ کو غیر ثقہ بنادیا۔ اور قطعًا یہ لحاظ نہ کیا کہ ان رواۃ کے محاسن روایت کیا ہیں۔ اور ان کی تضعیف و توثیق میں قول فیصل کیا ہے؟ نہ ہی یہ خیال فرمایا کہ ان رواۃ کو ضعیف اور ساقط الاعتبار کہہ دینے سے ان کی بے شمار وہ حدیثیں بھی ضعیف ہوجائیں گی جنھیں اپنے مفیدِ مطلب مقامات میں زندگی بھر خود ہی صحیح مانتے رہے ہیں۔

طریقۂ اول

بہرحال مسئلۂ زیر بحث میں راہِ تطبیق اختیار کرنے کے لیے قسم اول کی جملہ روایات پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کا حل ملاحظہ کیجیے:

(۱) حضرت ابن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹادیتے تھے۔ قاضی ابوبکر باقلانی سے اس کی تاویل گزر چکی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے قائل تھے۔ لیکن مصحف سے انھیں محو کردیتے تھے، اس لیے کہ مصحف میں ثبت کرنے کے بارے میں سرکار سے کوئی حکم ان کے پاس نہ تھا۔ اور ان کی رائے یہ تھی کہ مصحف میں وہی لکھا جائے جس کے لکھنے کا سرکار سے حکم مل چکا ہو۔

(۲) قرآن کو اس سے نہ ملاؤ جو **قرآن** سے نہیں۔

(۳) معوذتین **کتاب اللہ** سے نہیں --- دونوں جگہ اگر قرآن اور **کتاب اللہ** سے مصحف مراد لے لیا جائے تو ان روایتوں کا بھی وہی مفہوم ہوجائے گا جو مذکورہ بالا روایت کا ہے۔ جب روایات صحیحہ و قراءات متواترہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اعتقادِ قرآنیت ثابت ہے اور ان روایات میں ایک صحیح معنی کی گنجائش ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان

روایات میں قرآن بمعنی کلام اللہ لے کر انھیں ساقط الاعتبار ہی قرار دیا جائے حالاں کہ مصحف پر قرآن اور کتاب اللہ کا اطلاق عام طور پر ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے۔

(۴) انما امر النبی ﷺ ان یتعوذ بھما. اس روایت کا جس طرح یہ معنی لیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معوذتین سے **صرف تعوذ** کا حکم دیا (یعنی ان کی قراءت کا حکم نہ دیا) اُسی طرح یہ معنی بھی تو لیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے **صرف معوذتین** سے تعوذ کا حکم دیا۔ دوسری چیزوں سے نہیں۔ یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ واضح اور اس بحث میں خود حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایات صریحہ کے مطابق ہے۔

ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ ان نبی اللہ ﷺ کان یکرہ عشر خصال نبی کریم ﷺ دس باتیں ناپسند کرتے۔ ان دس باتوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے والرقی الا بالمعوذات غیر معوذات سے جھاڑ پھونک (ناپسند کرتے)۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود سے روایت کی۔ انھوں نے فرمایا:

کان رسول اللہ ﷺ یکرہ الرقی الا بالمعوذات

رسول اللہ ﷺ جھاڑ پھونک ناپسند فرماتے مگر معوذات سے۔

یہ حدیثیں اس معنی میں واضح اور بالکل صریح و مفسر ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غیر معوذات (غالباً جمع اس لیے ہے کہ اس میں تغلیباً قل ھواللہ احد بھی شامل ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں وقت تعوذ معوذتین کے ساتھ اسے بھی شامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے) سے جھاڑ پھونک ناپسند کرتے۔ لہٰذا ان حدیثوں کی روشنی میں حدیث بالا کا بھی یہی معنی لیا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف معوذتین سے تعوذ کا حکم دیا اس

کے معنی یہ نہیں کہ معوذتین سے صرف تعوذ کا حکم دیا قراءت کا نہیں۔

(۵) کان ابن مسعود لا یقرأ بھما. اگر اس کا یہ معنی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کو مطلق پڑھتے ہی نہ تھے تو یہ قرین قیاس بھی نہیں اور قراءت صحیحہ کے خلاف بھی۔ لہٰذا کان لا یقرأ بھما کا یہ معنی لیا جائے گا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں معوذتین کی قراءت نہ کرتے۔ مگر ہم یہ کہیں گے کہ ایک راوی کے صرف اتنے بیان سے یہ نتیجہ لینا آسان نہیں کہ وہ معوذتین کو قرآن نہیں مانتے تھے۔ راوی کا بیان صرف راوی کے علم کی حد تک ہے۔ انھوں نے حضرت ابن مسعود سے نماز میں معوذتین کی قراءت نہ سنی۔ تو اس سے صرف یہ معلوم ہوا کہ جن جہری نمازوں میں یہ راوی ان کے ساتھ تھے ان میں حضرت ابن مسعود سے معوذتین کی قراءت نہ سنی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں پڑھتے رہے ہوں یا بہت سی ان جہری نمازوں میں بھی پڑھا ہو جن میں یہ راوی ان کے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود نے زندگی بھر نماز میں معوذتین کی قراءت نہ کی تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابن مسعود معوذتین کی قرآنیت کے قائل نہ تھے۔ کسی نے زندگی بھر نماز میں کوئی سورہ (یاد ہوتے ہوئے بھی) نہ پڑھی تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے کہ اس نے اس سورہ کو قرآن ہی نہ مانا۔

بھلا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معوذتین کی قرآنیت سے انکار کیوں کر ہو گا جبکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کر رہے ہیں کہ

لقد أنزل عليَّ آيات لم ينزل عَليّ مِثْلهنَّ المعوّذتين.

مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئیں جیسی پہلے نازل نہ ہوئیں۔ وہ معوذتین ہیں۔

سرکار پر نازل ہونے والی چیز **وحی** اور کلام الٰہی ہے۔ اور کلام الٰہی اگرچہ سب یکساں ہے۔ مگر بعض میں امت کے لیے فضیلت و ثواب زیادہ ہے اسی لحاظ سے

حضور ﷺ معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں بے مثال بتارہے ہیں۔ جس سے قرآن کی بہت سی ان سورتوں اور آیتوں پر معوذتین کی افضلیت ثابت ہوتی ہے جنھیں سرکار نے کہیں صراحۃً معوذتین سے افضل نہیں بتایا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ سرکار غیر قرآن کو قرآن سے افضل بتادیں؟ غیر قرآن اگرچہ کلام الٰہی غیر متلو ہی ہو، یا دیگر کتب سماویہ ہوں، بہر حال قرآن کا سب سے افضل ہونا صراحۃً ثابت ہے، اس لیے ہرگز یہ متوقع نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار سے سن کر معوذتین کو نازل شدہ چیزوں میں افضل و بے مثال تو مانیں مگر انھیں غیر قرآن کہہ کر اپنے سر یہ الزام لیں کہ ابن مسعود غیر قرآن کو قرآن سے افضل مانتے ہیں۔

اور یہ تو پہلے ذکر ہو چکا کہ **آیات** کا اطلاق قرآن ہی کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے یہ قطعًا ناممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ معوذتین کو آیات اور سورتیں مان کر بھی قرآن نہ مانیں۔

اور سب سے قوی دلیل وہ قراءات متواترہ ہیں جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ اوران میں معوذتین موجود ہیں۔ لہٰذا ان سب کے ہوتے ہوئے چند غیر صریح روایات سے انکار قرآنیت کا استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

طریقۂ دوم

حتی الوسع ہم نے روایات انکار کے صحیح معانی بتاتے ہوئے تطبیق دکھائی۔ کیوں کہ متعارض روایات واقوال میں پہلا درجہ تطبیق ہی کا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی تطبیق سے متفق نہ ہو تو لا محالہ اُسے تسلیم کرنا ہوگا کہ جن روایات سے بظاہر انکار قرآنیت کا معنی نکلتا ہے وہ قراءات صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں مرجوح ہوں گی۔ اگرچہ ان کے رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں۔ مگر جب ایسی کوئی حدیث دوسری حدیث مشہور کے معارض ہو تو حدیث

مشہور کو ترجیح ہوتی ہے۔ اور دوسری روایت میں انقطاع باطنی مانا جاتا ہے کہ راوی کو فہم معنی میں کوئی وہم عارض ہوا---ان کلمات پر ہم بحث معوذتین ختم کرتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہوا کہ (۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قبل اجماع صحابہ کتابتِ معوذتین سے انکار تھا، بعد اجماع وہ کتابت کے بھی قائل ہوگئے۔(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی زمانے میں قرآنیت معوذتین کے منکر نہ تھے۔

دعاے خَلع ودُعاے حَفد

متعدّد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں سورۃ الناس کے بعد یہ دو دعائیں تھیں:

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَلَا نَكْفُرُكَ ونخلع ونترك من يفجرك.

(۲) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اللَّهُمَّ اياك نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّي وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعَى وَنَحْفِدُ، نَخْشَى عَذَابَكَ وَنَرْجُو رَحْمَتَكَ إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ.

تمام روایات میں ان دعاؤں کے الفاظ یکساں اور برابر نہیں۔ کمی بیشی اور تقدیم وتاخیر بھی ہے۔

بعض راویوں نے ان دعاؤں کو دو سورتوں سے تعبیر کیا۔ جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دونوں دعائیں جزوِ قرآن ہیں۔ مگر بلاشبہہ یہ دعائیں جزوِ قرآن نہیں۔ نہ ہی اس پر کسی دلیل کی حاجت۔ مگر جب جاہل یا متجاہل اعدائے اسلام نے انھیں پیش کرکے قرآن مقدس پر نقص وکمی کا الزام عائد کیا ہے تو اس پر بھی تھوڑی گفتگو ضروری ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان دعاؤں کا سورہ یا جزوِ قرآن ہونا کسی روایت میں ثابت نہیں۔ در منثور میں اس سے متعلق پندرہ سے زائد صحیح، حسن، ضعیف، قریبًا تمام روایات پیش کردی ہیں۔ مگر کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں جزوِ قرآن بتایا ہو یا سورہ کے لقب سے یاد فرمایا ہو۔ بیہقی کی حضرت خالد بن عمران سے روایت کردہ صرف ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت جبریل سرکار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے (کچھ کلمات کے بعد ہے) ثم علمه هذا القنوت پھر انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ قنوت سکھایا اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ الخ

اوّلاً یہ روایت ہمارے خلاف نہیں اس میں بھی صراحت ہے کہ علمه هذا القنوت۔ حضرت جبرئیل نے سرکار کو یہ **قنوت** سکھایا علمه هذه السورة یا هاتین السورتین (یہ سورہ یا یہ دونوں سورتیں سکھائیں) نہیں ہے۔ جس سے خود ہی واضح ہے کہ یہ دعاے قنوت تو ہے سورۂ قرآن نہیں۔

ثانیاً ایسا ہرگز نہیں کہ حضرت جبرئیل نے جو کچھ بتایا ہو سب جزوِ قرآن ہی ہو۔ حدیث کے طالب علم پر مخفی نہیں کہ ایسی کتنی روایات ہیں جن میں حضرت جبرئیل کے بعض باتیں بتانے اور سکھانے کا ذکر ہے مگر وہ جزوِ قرآن نہیں۔ قرآن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بطور قرآن نازل ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے قرآن بتاکر تعلیم و تبلیغ فرمائی ہو۔ الغرض ان کلمات کا دعاے قنوت ہونا تو مسلم ہے مگر ان کی قرآنیت کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۲) خود حضرت ابی بن کعب سے ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں انھوں نے اس دعاے قنوت کو صراحۃً قرآن بتایا ہو۔

(۳) عہد صدیقی کی تدوین میں اعلان عام تھا کہ جس کے پاس جو کچھ قرآن ہو لے آئے۔ مگر حضرت ابی بن کعب کا ان سورتوں کو بطور قرآن پیش کرنا کہیں ثابت نہیں۔

(۴) تدوین ثالث میں بھی اس کا موقع تھا مگر حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو قرآن بتاکر پیش کرنا کسی روایت میں مذکور نہیں۔ جب کہ اس تدوین میں حضرت ابی بن کعب بنفس نفیس شامل تھے۔ اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت زید کو املا کرانے والے یہی تھے۔

(۵) بالفرض اگر کسی صحیح روایت میں حضرت ابی بن کعب کا ان دعاؤں کو جزوِ قرآن بتانا مل جائے تو بھی خبر واحد سے قرآنیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس کے لیے تواتر ضروری ہے۔

(۲) مصحف عثمانی وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دورۂ اخیرہ کے مطابق تدوین ہوا۔ اس پر صحابہ کرام نے اجماع واتفاق کیا۔ اس میں جو درج تھا اسے قرآن غیر منسوخ ثابت و مستقر تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ کو بالاجماع غیر قرآن یا قرآن منسوخ قرار دیا۔ ان اہل اجماع میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہیں۔ لہٰذا جب مصحف عثمانی میں یہ دعائیں نہ لکھی گئیں اور سورۃ الناس پر قرآن ختم کر دیا گیا۔ تو بالاجماع ان کا قرآن نہ ہونا ثابت و متعیّن ہو گیا۔ اور ان کے عدم قرآنیت میں کسی شک وشبہ کی بھی گنجائش باقی نہ رہی۔

ان دعاؤں کے لکھنے کا سبب

حضرت ابی بن کعب نے مصحف میں یہ دعائیں محض یادداشت کے طور پر لکھیں۔ رہا یہ کہ انھوں نے ان دعاؤں کی یادداشت کو اتنی ہمیت کیوں دی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ:

(۱) یہ آسمان سے نازل ہوئیں حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے خدمت اقدس میں انھیں پیش کیا۔

(۲) یہ اندرون نماز اس مقام میں پڑھی جاتی ہیں جہاں بجز قرآن یا کسی دعاے قنوت اور تسمیہ و درود کے اور کسی چیز کا موقع نہیں۔ یعنی وتر کی تیسری رکعت کے قیام میں بعد قراءت انھیں پڑھا جاتا ہے۔ اگرچہ اللہ اکبر کہہ کر انھیں قراءت سے جدا کر لیا جاتا ہے پھر بھی قراءت قرآن سے ان کا قرب واتصال اور مشابہتِ مقام واضح ہے۔

(۳) دعاے قنوت واجب ہے۔ اس ادائے واجب کے لیے یقیناً افضل وہی ہے جو سرکار سے ثابت اور آسمان سے نازل ہو۔ اس کے پیش نظر روزانہ نماز وتر میں ان کی حاجت ہے۔ لہٰذا ان کی حفاظت و یادداشت بھی اہم۔ ان امور کی بنا پر حضرت ابی بن کعب نے بطور یادداشت انھیں مصحف میں ثبت کر لیا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ انھوں نے وہ مصحف صرف اپنی یاد داشت ہی کے لیے تو لکھا تھا۔ ہرگز ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ اسے بتمامہ بلاد اسلام میں رائج کرنا ہے، نہ ہی یہ گمان کہ لوگ اسے رائج کریں گے۔ لہٰذا جب اسے اپنی ذات تک محدود رکھنا تھا تو اگر بطور یاد داشت وہ دو اہم دعائیں بھی انھوں نے لکھ لیں تو ان پر کیا اعتراض؟ انھوں نے تو یہی خیال رکھا کہ یہ غیر قرآن ہیں۔ مگر بطور یاد داشت میں نے لکھ لیا ہے۔

اگر وہ ان دعاؤں کو قرآن بتاتے اپنے تلامذہ کو قرآن کہہ کر پڑھاتے تو یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ انھیں ان دعاؤں کی قرآنیت کا گمان تھا مگر ان سے مروی قراءات متواترہ بلا شبہہ ان دعاؤں سے خالی ہیں۔ جس سے یقینی طور پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انھیں ایسا کوئی گمان بھی نہ تھا۔

حاصل کلام یہ کہ ان دعاؤں کا قرآن نہ ہونا صرف یہی نہیں کہ جملہ صحابہ و تابعین اور امت اسلامیہ کے نزدیک قطعی و یقینی ہے بلکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی ان کی عدم قرآنیت ہی متعیّن اور متیقن ہے۔

اختلاف قراءت

[۱] اختلاف قراءت کیا چیز ہے؟---[۲] کیا اختلاف قراءت سے قرآن کے معانی میں اتنی تبدیلی ہوجاتی ہے کہ حلال و حرام کا فرق ہوجائے۔ ایک قراءت سے کسی چیز کا جواز ہو اور دوسری سے اسی کا عدم جواز نکلتا ہو؟--- [۳] یہ اختلاف کب سے اور کیوں کر پیدا ہوا؟ [۴] ائمۂ قراءت کون تھے؟ [۵] قراءات سبعہ و عشرہ کسے کہتے ہیں؟

یہ اس موضوع کے بنیادی سوالات ہیں جنھیں اگلی سطور میں بیان کرنا مقصود ہے۔

[۱و۲] اختلاف قراءت کا ایک نقشہ ہم اگلے صفحات میں پیش کریں گے جس سے واضح ہوگا کہ یہ معمولی اختلافات ہیں۔ صرف بعض کلمات یا حروف، یا حرکات، یا طریقِ ادا کا فرق ہے۔ اور معانی میں ہرگز ایسی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی جائز، ناجائز یا حرام، حلال ہوجائے۔

(۳) صفحات گزشتہ میں تفصیلاً اس کا ذکر آچکا ہے کہ عرب کے فصیح قبائل کی زبانوں اور طریق ادا میں فرق تھا۔ جس کے پیش نظر قرآن سات لہجوں میں نازل ہوا۔ خلافت عثمانی میں اولین زبان نزول، زبان قریش کے اور قرآن کے دورۂ اخیر کے موافق مصحف شریف کی تدوین ہوئی۔ مگر بعض فرق کلمات و حروف و حرکات وادا جو عرضۂ اخیرہ میں باقی رہے، اور جن کی روایت رسول اللہ ﷺ سے ثابت تھی، وہ علی حالہٖ قائم رکھے گئے۔ یہی مختلف قراءات ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ سے صحابۂ کرام کی کثیر جماعت نے سیکھا، اور صحابہ سے تابعین نے حاصل کیا، اور تابعین سے تبع تابعین نے لیا، اسی طرح ہر زمانے اور ہر دور میں یہ قراءات کتابت وادا کی نقل متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچیں۔

اس لیے تمامی متواتر قراءتیں حق و صحیح، واجب الاعتقاد اور واجب العمل ہیں، ان کا منکر کافر ہے۔

[۴] ائمۂ قراءت

یہ قراءتیں سرکار دوعالم ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہوئیں۔ مگر ہر زمانے میں کچھ بزرگوں کو ان میں امامت کا درجہ حاصل رہا۔ اور وہ اس فن سے اپنے غیر معمولی شغف اور اس میں اختصاص کی بنا پر زیادہ مشہور ہوئے۔

زمانۂ مابعد میں بعض حضرات نے کسی خاص قراءت کی تعلیم واشاعت سے شغف اختیار کیا، اور ان سے خاص ایک ایک قراءت بتواتر روایت کی گئی۔ جس کے سبب وہ قراءت ان ہی کی طرف منسوب ہوئی۔ اور خاص ان کی قراءت کہلائی۔ ورنہ ہر قراءت کا مصدر و مرجع رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات حقیقت مآب ہے۔

صحابہ

صحابۂ کرام میں قراءت اور تعلیم قراءت میں سات اکابر زیادہ مشہور ہوئے۔ (۱) حضرت عثمان (۲) حضرت علی (۳) حضرت ابی بن کعب (۴) حضرت زید بن ثابت (۵) حضرت عبداللہ بن مسعود (۶) حضرت ابوالدردا (۷) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت ابی بن کعب سے خود صحابہ کی ایک جماعت نے فن قراءت حاصل کیا جن میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس نے حضرت زید سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔

تابعین

صحابہ کرام سے تابعین کی ایک عظیم جماعت نے قراءت سیکھی۔ جن کی مختصر

فہرست یہ ہے۔

مدینہ میں: (۱) عبداللہ بن مسیب (۲) عروہ (۳) سالم (۴) عمر بن عبدالعزیز (۵) سلیمان بن یسار (۶) عطا بن یسار (۷) معاذ بن حارث معروف بہ قاضی قاری (۸) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (۹) ابن شہاب زہری (۱۰) مسلم بن جندب (۱۱) زید بن اسلم۔

مکہ میں: (۱) عبید بن عمیر (۲) عطا بن ابی رباح (۳) طاؤس (۴) مجاہد (۵) عکرمہ (۶) ابن ابی ملیکہ۔

کوفہ میں: (۱) علقمہ (۲) اسود (۳) مسروق (۴) عبیدہ (۵) عمرو بن شرحبیل (۶) حارث بن قیس (۷) ربیع بن خیثم (۸) عمرو بن میمون (۹) ابو عبدالرحمٰن سلمی (۱۰) زِر بن حُبیش (۱۱) عبید بن نضلہ (۱۲) سعید بن جبیر (۱۳) نخعی (۱۴) شعبی۔

بصرہ میں: (۱) ابو عالیہ (۲) ابو رجا (۳) نصر بن عاصم (۴) یحییٰ بن یعمر (۵) حسن (۶) ابن سیرین (۷) قتادہ۔

شام میں: (۱) مغیرہ بن شہاب مخزومی شاگرد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) خلیفہ بن سعد تلمیذ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ وہ حضرات تھے جو قراءت میں اور لوگوں کی نسبت زیادہ نمایاں اور ممتاز شہرت کے حامل تھے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے قراءت کو اپنے خاص فن کی حیثیت سے اختیار کیا۔ اور اس پر زیادہ توجہ صرف کی، جس کے باعث لوگوں نے ان کو اپنا مرجع و مقتدا بنالیا۔

ان حضرات میں سے مدینہ میں ابو جعفر یزید بن قعقاع پھر شیبہ بن نصاع پھر نافع بن نعیم ----مکہ میں عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس الاعرج، محمد بن ابی محیصن --- --کوفہ میں یحییٰ بن وثاب، عاصم ابن ابی النجود اور سلیمان اعمش پھر حمزہ پھر کسائی----

-بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحٰق، عیسیٰ بن عمر، ابوعمرو بن العلا، عاصم جحدری پھر یعقوب حضرمی ------شام میں عبداللہ بن عامر، عطیہ بن قیس کلابی، اسماعیل بن عبداللہ بن مہاجر، پھر یحییٰ بن حارث ذماری، پھر شریح بن یزید حضرمی زیادہ مشہور ہوئے۔

قراءات سبعہ

اوران میں سے ائمہ سبعہ کوعالم گیر شہرت اور عظیم درجۂ امامت حاصل ہوا۔ آج انھیں کی قراءتیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کے دور میں خود ان سے بے شمار حضرات نے فن قراءت کی تحصیل کی۔ مگر ان کے تلامذہ میں سے بھی چند ہی حضرات شہرت دوام وعام سے سرفراز ہوئے۔

ان ساتوں اماموں کی قراءتیں متواتر ہیں۔ اور ہر قاری کی طرف ایک قراءت منسوب ہے۔ ان قاریوں میں سے ہر ایک کے دو خاص راوی ہیں۔ جن سے ان کی قراءتیں مروی ہیں۔

پھر ان رواۃ کا بھی ایک سلسلۂ تعلیم ہے۔ جس طرح اس وقت احادیث کا سلسلۂ اسناد فاضل حدیث سے مصنفین کتب حدیث پھر حضور ﷺ تک ہوتا ہے۔ اسی طرح قراءت کا سلسلۂ اسناد بھی فاضل قراءت سے لے کر کسی امام قراءت یا ائمۂ سبعہ تک اور پھر ان سے حضور ﷺ تک ہوتا ہے۔

ان ائمۂ قراءت اوران کے رُواۃ کے مختصر حالات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

شمار	قاری	راوی	راوی
۱	نافع مدنی	قالون	ورش
۲	ابن کثیر مکی	بَزّی	قُنبُل
۳	ابوعمرو بصری	دُوری	سُوسی

۴	ابن عامر شامی	ہشام	ابن ذکوان
۵	عاصم کوفی	شعبہ	حفص
۶	حمزہ کوفی	خلَف	خَلّاد
۷	علی کسائی کوفی	ابوالحارث	دُوری

ساتوں قاریوں کے راوی تو بے شمار ہیں مگر ہر قاری کے دو دو راوی زیادہ مشہور ہیں جن سے آج کل بھی روایتِ قراءت جاری ہے اس لیے انھیں حضرات کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

قراءات عشرہ

ان ساتوں قاریوں کے ساتھ تین قرا ابو جعفر (یزید بن القعقاع) یعقوب اور خلف کی قراءتیں قراءت عشرہ اور یہ حضرات قرائے عشرہ کہلاتے ہیں۔ ان ائمہ کی قراءتیں بھی متواتر ہیں۔

(۱) نافع مدنی

نافع نام، ابو رویم کنیت، ولادت ۷۰ھ تقریبًا۔ وفات ۱۶۹ھ

مدینہ طیبہ میں ستر تابعین سے تحصیل قراءت کی۔ خود بھی تابعی تھے۔ کلام کرتے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی۔ پوچھا گیا، آپ خوشبو لگا کر پڑھاتے ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں نے سرور عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں قراءت فرما رہے ہیں جب ہی سے یہ خوشبو آتی ہے۔

مدینہ منورہ میں بلا اختلاف امام قراءت مانے جاتے تھے۔ مدینہ ہی میں قیام رہا، اور وہیں جنۃ البقیع میں مدفون ہیں۔ قریبًا سو سال عمر پائی۔

تلامذہ کی تعداد بہت ہے، جن میں اسماعیل بن جعفر انصاری، اصمعی اور امام مالک

جیسی عظیم شخصیتیں بھی ہیں۔ تمام علمااس کی توثیق کرتے ہیں کہ امام نافع ستر برس سے زیادہ مسند درس پر فائز رہے۔ان کے راویوں میں قالون اور ورش زیادہ مشہور ہیں۔

قالون: عیسیٰ بن مینا نام۔ ابو موسیٰ کنیت۔ قالون لقب، جس سے شہرت ہوئی۔ ولادت ۱۲۰ھ مدینہ منورہ، وفات ۲۲۰ھ مدینہ منورہ۔

قالون رومی لفظ ہے جس کے معنی **جَیِّد** (عمدہ) ہیں۔ امام نافع ہی نے انھیں یہ لقب عطا کیا تھا۔ کان کے بہرے تھے۔ لیکن یہ انعام خداوندی تھا، کہ قرآن کریم سننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ۱۵۰ھ تک امام نافع سے پڑھتے رہے۔

خود فرماتے ہیں کہ میں جب امام نافع سے ان کی قراءت ان گنت مرتبہ پڑھ چکا تو امام نافع نے فرمایا: **تم مجھ سے کب تک پڑھتے رہو گے، اب درس دینا شروع کرو۔**

پھر انھوں نے ستر سال درس دیا۔ پورے سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

ورش: عثمان بن سعید نام۔ ابو سعید کنیت۔ ورش لقب ہے۔ اور یہ بھی لقب ہی سے مشہور ہیں۔ ولادت ۱۱۰ھ مصر۔ وفات ۱۹۷ھ مصر۔ عمر ۸۷/ سال۔

مصر سے مدینہ منورہ آکر امام نافع سے قراءت کی تعلیم حاصل کی۔ انتہائی خوش آواز تھے۔ اسی وجہ سے امام نافع نے انھیں **ورشان** لقب عطا فرمایا تھا۔

ورشان نرفاختہ کو کہتے ہیں۔ کثرت استعمال سے الف نون حذف ہو کر ورش رہ گیا، یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں کہ ورش خوش قراءت اور خوش الحان تھے۔ ان کی قراءت سننے والوں پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۵۵ھ میں مصر واپس آگئے۔ اور وہیں کار تدریس میں مصروف ہوئے۔

(۲) ابن کثیر مکی

عبداللہ بن کثیر نام۔ ابو معبد کنیت۔ ولادت ۴۵ھ مکہ بزمانۂ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وفات ۱۲۰ھ مکہ معظمہ بعہد ہشام ابن عبدالملک۔

دوسرے طبقہ کے تابعی تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری، عبداللہ بن زبیر قرشی، انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ عبداللہ بن سائب صحابی سے تحصیل علم کی تھی۔ عراق میں عرصہ تک رہنے کے بعد مکہ معظمہ پھر واپس آ گئے۔ اور قاضی مقرر ہوئے۔ مشہور محدّث وفقیہ سفیان بن عیینہ، امام النحو خلیل بن احمد جیسے ائمہ آپ کے شاگرد تھے۔

ان کے رُواۃ میں بزّی اور قنبل زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

بزّی: احمد بن محمد نام۔ کنیت ابوالحسن۔ ولادت ۱۷۰ھ وفات ۲۵۰ھ مکہ معظمہ۔ اپنے جداعلیٰ ابوبزہ کی طرف نسبت کی بنا پر بَزِّی کہلاتے ہیں۔

بزی، عکرمہ بن سلیمان سے، یہ اسماعیل بن عبداللہ قسط اور شبلی بن عباد سے اور یہ دونوں حضرات امام ابن کثیر سے روایت کرتے ہیں۔

قُنْبُلْ: محمد بن عبدالرحمٰن (مخزومی مکی) نام، ابوعمر کنیت۔ قنبل لقب۔ ولادت ۱۹۵ھ - وفات ۲۹۱ھ - عمر ۹۶ر سال۔

قراءت میں حجاز کے امام اور رئیس القراء تھے۔ مکہ میں ان کا گھرانہ آج تک قنابلہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) ابوعمرو بصری

ابوعمرو بن العلاء مازنی۔ نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے کنیت ہی کو نام کہا ہے۔ ولادت ۶۸ھ مکہ معظمہ - وفات ۱۵۴ھ کوفہ۔

بصرہ میں پرورش پائی۔ تابعی ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ قراءت، عربیت، لغت، انساب، تاریخ اور شاعری میں اعلم الناس تھے۔

https://alislami.net

حضرت حسن بصری آپ کے مداح تھے۔ رمضان میں کبھی شعر نہ پڑھتے، شام جاتے ہوئے کوفہ میں وفات پائی۔

ان کے راویوں میں دُوری اور سُوسی زیادہ مشہور ہیں۔ اور دونوں ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

دُوری بصری: حفص بن عمر نام۔ ابو عمر کنیت۔ ولادت ۱۵۰ھ دُور۔ وفات ۲۴۶ھ سامرہ۔

بغداد کے قریب ہی دُور نامی ایک قریہ ہے اسی کی طرف نسبت کے باعث دُوری کہلاتے ہیں۔ اپنے استاد ابو محمد یحییٰ بن مبارک بصری معروف بہ یزیدی کے واسطے سے ابو عمرو بصری کی قراءت، روایت کرتے ہیں۔ یزیدی بڑی شان کے ساتھ بغداد میں رہتے تھے۔ یزید بن منصور کے لڑکوں کے اتالیق ہونے کے باعث یزیدی سے مشہور ہو گئے۔ قراءت، حدیث، نحو اور لغت کے ماہر، شاعر اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: دُوری نے قراءتیں جمع کیں، اور ان کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی۔ متعدّد حضرات سے حدیثیں سنیں۔ قرآن و تفسیر کے عالم تھے۔

سوسی: صالح بن زیاد نام۔ ابو شعیب کنیت۔ ولادت ۱۷۱ھ تقریبًا۔ وفات محرم ۲۶۱ھ خراسان۔ اہواز کے موضع سوس میں پیدا ہوئے۔ علامہ یزیدی سے تحصیل قراءت کی۔ ان ہی کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ رَقّہ جو دریائے فرات کے کنارے ارض ربیعہ کا ایک شہر ہے۔ وہیں رہتے تھے۔ ۹۰/ سال عمر پائی۔

(۴) ابن عامر شامی

عبداللہ نام۔ ولادت ۲۱ھ وفات ۱۰/ محرم ۱۱۸ھ دمشق بعہد ہشام بن عبدالملک، دمشق کے رہنے والے تابعی ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پڑھا۔

جن میں مغیرہ بن ابی شہاب اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ابن عامر شامی باعتبار زمانہ وبلحاظ شیوخ سب سے مقدم ہیں۔ شام کے ایک گاؤں میں۔جس کو رحاب یاجابیہ کہتے ہیں۔ پیدا ہوئے۔ ۹۰ سال کی عمر میں دمشق تشریف لائے اور وہیں قیام فرمایا۔ دمشق کے قاضی بھی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت کے زمانے میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

رواۃ میں ہشام اورابن ذکوان زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

ہشام :ہشام بن عمار نام۔ولادت ۱۵۳ھ دمشق،وفات آخر محرم ۲۴۵ھ دمشق۔ یہ ابوالضحاک عراک بن خالد مَرَوَزِی تابعی اورابوسلیمان ایوب بن تمیم تمیمی سے اور یہ دونوں یحییٰ بن حارث اَنّاری سے اور یہ ابن عامر شامی سے روایت کرتے ہیں۔

ہشام حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور محدثین کی ایک جماعت کثیرہ ان سے روایت کرتی ہے۔عقل ودرایت، فصاحت وبلاغت، نقل وروایت،اور علم وفضل میں مشہور تھے۔

ابن ذکوان: عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان نام۔ ابوعمر وکنیت۔ ولادت۔ عاشورا ۱۷۳ھ دمشق۔ وفات شوال ۲۴۲ھ دمشق۔

ہشام کی طرح ابوسلیمان ایوب بن تمیم تمیمی سے بہ سند مذکور روایت کرتے ہیں، ان سے ابوداؤد،ابن ماجہ، وغیرہما محدثین کی ایک جماعت روایت حدیث کرتی ہے۔ ولید بن عتبہ فرماتے ہیں تمام عراق میں ان سے بہتر قرآن شریف پڑھنے والا کوئی نہیں تھا۔ ابوزرعہ کہتے ہیں: **قراءت قرآن میں حجاز، شام، مصر اور خراسان میں، ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔** ایوب بن تمیم کے بعد دمشق کی ریاستِ قرآن ان ہی پر منتہی ہوتی ہے۔

(۵) امام عاصم کوفی

عاصم بن ابی النجود نام۔ ابوبکر کنیت۔ وفات ۱۲۷ھ۔

عبداللہ بن حبیب سلمی، زِر بن حبیش، سعید بن عیاش شیبانی سے تحصیل قراءت کی۔ یہ تینوں حضرات کبار تابعین سے ہیں۔ اور بلا واسطہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں۔

امام عاصم خود بھی تابعی ہیں، حارث بن حسان اور دیگر صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **عاصم صاحب قراءت ہیں اور میں ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں**۔ عجلی فرماتے ہیں: عاصم صاحب سنت و قراءت، ثقہ اور رئیس القراء تھے۔

ابواسحٰق ربیعی فرماتے ہیں: میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا۔ اور عاصم سے زیادہ قرآن مجید کا عالم نہیں پایا---فصاحت و بلاغت، ضبط و اتقان، اور تجوید میں کمال رکھتے تھے۔ طرز ادا اور لہجہ عجیب تھا۔ خوش الحانی میں بے نظیر تھے۔ ساتھ ہی عابد و زاہد اور کثیر الصلاۃ بھی تھے۔ وفات کے وقت آیۂ ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق بار بار پڑھ رہے تھے۔

پچاس سال تک مسند درس پر فائز رہے۔ آپ کے شاگرد بہت ہیں۔ کتنے تلامذہ تو خود اکابر ائمہ ہیں۔ جیسے امام ابوحنیفہ، حضرت فضیل اور حضرت حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

رواۃ میں ان کے دو شاگرد زیادہ مشہور ہیں۔ ابو بکر شعبہ، دوسرے حفص بن سلیمان۔

امام شعبہ: شعبہ نام۔ کنیت ابوبکر۔ ولادت ۹۵ھ کوفہ۔ وفات ۲۱/ جمادی الآخرہ ۱۹۳ھ کوفہ۔

عالم و فاضل تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: **شعبہ ثقہ** صالح، صدوق اور

صاحب قرآن وسنت تھے۔ خود فرماتے ہیں: میں نے کبھی کوئی منکر نہیں کیا۔ اور تیس سال سے زیادہ ہورہے ہیں کہ روزانہ ایک ختم قرآن شریف کرتا ہوں۔

ستر سال عبادت میں گزار دیے۔ اور چالیس سال ان کے لیے بستر نہیں بچھایا گیا۔ اس عرصہ میں زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔ تلاوت قرآن سے خاص شغف تھا۔ حد یہ ہے کہ نشست کے لیے جو جگہ مقرر کی تھی وہاں چوبیس ہزار ختم قرآن فرمایا۔

امام عاصم سے تیس سال کی عمر میں تین مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ پانچ پانچ آیتیں پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔ امام کسائی وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔

امام حفص: حفص بن سلیمان نام۔ ابو عمر کنیت۔ ولادت ۹۰ھ۔ وفات ۱۸۰ھ۔

امام عاصم کے ربیب (پروردہ) تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ حفص وشعبہ امام عاصم کی قراءت میں، اعلم الناس تھے۔ اور حفص، ابوبکر شعبہ سے اَقْرء تھے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ **قراءت میں حفص ثقہ ضابط تھے** امام عاصم سے متعدّد بار قرآن شریف پڑھا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ساتھ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ جو کچھ اپنے استاد سے پڑھتے اسے خوب یاد رکھتے۔

(۶) امام حمزہ کوفی

حمزہ بن حبیب الزّیات نام۔ کنیت ابوعمارہ۔ ولادت ۸۰ھ کوفہ۔ وفات ۱۵۶ھ حلوان۔ تبع تابعی ہیں۔ امور شرعیہ میں بڑے محتاط، عابد وزاہد اور قائم اللیل تھے۔ تلاوت قرآن کا شوق بہت زیادہ تھا۔ ہر مہینہ ۲۵، ۲۶ بار قرآن شریف ختم کرتے۔ علم فرائض میں بڑے ماہر تھے۔ ابن فضل فرماتے ہیں: **کوفہ سے امام حمزہ کے باعث بلادور ہوتی ہے** ان کے استاذ حضرت اعمش انھیں دیکھتے تو فرماتے: یہ **حبر قرآن** ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں: **حمزہ** قراءت اور فرائض میں بلانزاع ہم سب پر فائق ہیں۔

امام قراءت کسائی، سفیان ثوری، اور ابراہیم بن ادہم جیسے جلیل القدر حضرات امام حمزہ کے شاگردوں میں ہیں۔

ان کے رواۃ میں **خَلف** اور **خَلّاد** زیادہ مشہور ہیں۔ دونوں حضرات بواسطہ ابو عیسیٰ سلیم بن عیسیٰ کوفی امام حمزہ سے روایت کرتے ہیں۔

کوفہ کے اندر ۱۳۰ھ میں حضرت سلیم کی ولادت ہوئی اور ۱۸۸ھ یا ۲۰۰ھ میں وہیں وفات پائی۔ امام حمزہ کے تلامذہ میں خاص جلالت رکھتے تھے۔ یحییٰ فرماتے ہیں کہ جب سلیم آتے تو امام حمزہ فرماتے مؤدب ہوجاؤ سلیم آرہے ہیں۔ امام سلیم خود فرماتے ہیں: میں نے امام حمزہ سے دس مرتبہ قرآن شریف پڑھا۔ اور ایک حرف میں بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔

خلف: خلف بن ہشام بزار۔ خود ائمہ عشرہ سے ہیں۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ ۲۲۹ھ بغداد میں وفات پائی۔

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر چکے تھے اور تیرھویں سال میں سماعت حدیث کی۔ عابد و زاہد، صائم الدہر ثقہ اور جلیل الشان امام تھے۔ حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ان سے امام مسلم و امام ابوداؤد وغیرہما محدثین روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

خَلّاد: خلاد بن خالد صیرفی نام۔ ابو عیسیٰ کنیت۔ وفات ۲۲۰ھ کوفہ میں۔

قوی الحافظہ، ثقہ، محقق، مُجوِّد، صاحب ضبط واتقان تھے، جامع ترمذی اور صحیح ابن خزیمہ میں ان سے حدیث مروی ہے۔

(۷) امام کسائی کوفی

علی بن حمزہ کوفی نام، ابوالحسن کنیت، ولادت ۱۱۹ھ کوفہ – وفات ۱۸۹ھ۔

احرام کی حالت میں کِسا (اونی چادر) پہنتے تھے اسی لیے کسائی سے مشہور ہوگئے۔

امام حمزہ، عیسیٰ بن عمر و اور ابوبکر بن عیاش سے تحصیل فن کی، علم قراءت کے امام ہونے کے علاوہ نحو و لغت کے بھی امام تھے۔ معانی القرآن، کتاب النحو، نوادر کبیر، وغیرہا ان

کی تصانیف ہیں۔ سیبویہ سے ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

ہارون کے ساتھ "رے" جاتے ہوئے موضع مرنیویہ میں وفات پائی وہیں امام محمد شاگرد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے بھی وفات پائی۔ جس پر ہارون نے کہا تھا: **ہم نے فقہ اور قراءت کو یہاں دفن کر دیا۔**

ان کے شاگردوں میں دو راوی زیادہ مشہور ہیں۔ ابوالحارث، اور دوری۔

ابوالحارث: لیث بن خالد، (مروزی بغدادی) نام۔ ابوالحارث کنیت۔

ثقہ، ضابطہ، صالح، محقق اور قراءت کے ماہر امام کسائی کے اجلّ تلامذہ سے تھے۔ ۲۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔

دوری: ان کا حال گزر چکا۔ چوں کہ یہ ابو عمرو بصری، اور امام کسائی دونوں کے راوی ہیں اس لیے امام کسائی کی روایت بیان کرتے وقت دوری علی یا دوری کسائی--- اور ابو عمرو بصری کی روایت کے وقت دوری بصری لکھتے ہیں۔ (۱)

(۸) یعقوب حضرمی بصری

(قاری عشرہ) ولادت ۱۱۷ھ — وفات ۲۰۵ھ۔

جماعت کثیرہ سے تحصیل قراءت کی۔ امام کسائی، محمد بن زریق کوفی، اور امام حمزہ سے بھی سماع حاصل ہے۔ ان کی سند قراءت یہ ہے: یعقوب بن زید، سلام، عاصم، ابو عبد الرحمٰن سلمی، علی بن ابی طالب، رسول اللہ ﷺ۔

ان سے جماعت کثیرہ نے تحصیل قراءت کی ہے۔ بصرہ کی جامع مسجد کے امام ہمیشہ یعقوب ہی کی قراءت پر نماز پڑھتے۔ ان کے باپ اور دادا دونوں حضرات قاری ہیں۔ صاحب فضل و کمال، متقی و زاہد تھے، زہد اور خدا کی طرف توجہ کا حال یہ تھا کہ ایک بار نماز میں ان کے کاندھے سے چادر چرالی گئی، مگر انھیں خبر نہ ہوئی۔ پھر چادر لاکر رکھ

۱: تیسیر الطبع فی اجراء السبع، از: مولانا محمد حسین اشرفی، مقدمہ

https://alislami.net

دی گئی تو بھی انھیں پتا نہ چلا۔

قرآن، عربیت، روایت حدیث، اور فقہ میں کمال حاصل تھا۔ ابو حاتم فرماتے ہیں: **ہم نے جن لوگوں کو پایا ان میں یعقوب سب سے بڑے قاری وعالم تھے۔** ذی الحجہ ۲۰۵ھ میں ۸۸/ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے باپ، دادا اور پر دادا کی بھی یہی عمریں تھیں۔ تمام حضرات نے ۸۸/ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

(۹) ابو جعفر یزید بن القعقاع مدنی

وفات: ۱۳۰ھ۔ مدینہ

عبداللہ ابن عیاش مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اپنے مولیٰ عبداللہ بن عیاش ابن ابی ربیعہ، عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تحصیل قراءت کی۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مروان بن الحکم سے بھی سماع حاصل ہے۔ کم سنی میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر کیے گئے۔ انھوں نے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور دعاے برکت کی۔

واقعہ حَرّہ ۶۳ھ سے پہلے مدینہ میں یہ سب سے بڑے قاری تھے۔ امام نافع بن ابی نعیم، سلیمان بن مسلم، عیسیٰ بن وردان، امام ابو عمرو، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم، اور خود ان کے دونوں فرزند اسماعیل ویعقوب نے ان سے روایتِ قراءت کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج جیسے جلیل القدر تابعی پر اس زمانے میں انھیں مقدم کیا جاتا۔

صوم داؤدی (ایک دن روزہ ایک دن افطار) کے پابند تھے۔ فرماتے اس روزے سے اپنے نفس کو عبادت الٰہی کے لیے تیار کرتا ہوں۔ درمیان شب چار رکعت نماز ادا کرتے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد طوال مفصل (حجرات تا بروج) کی کوئی سورہ پڑھتے۔ بعد نماز اپنے لیے، تمام مسلمانوں کے لیے اور ان سب لوگوں کے لیے دعائیں کرتے جنھوں نے ان سے پڑھا اور ان کے بعد یا ان سے پہلے ان کی قراءت کی۔

امام نافع بیان کرتے ہیں بعد وفات جب امام ابو جعفر کو غسل دیا جارہا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے گلے سے دل تک ورقِ مصحف کی طرح روشن ہے۔ دیکھنے والوں کو اس میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ نور قرآن تھا۔ مدینہ کے اندر ۱۳۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) خلف بن ہشام بغدادی

رواۃ امام حمزہ کے ضمن میں ان کے حالات گزر چکے۔

ارباب تصنیف

ابو عمرو دانی: عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید اموی۔ ولادت ۳۷۱ھ — وفات ۱۵/ شوال ۴۴۴ھ دانیہ۔

تصانیف: (۱) کتاب التیسیر (۲) جامع البیان فی القراءات السبع (۳) المقنع فی رسم المصحف (۴) المحکم فی النقط (۵) المحتوی فی القراءات الشواذ (۶) طبقات القراء، ۴/ جلدیں۔ (۷) شرح قصیدۃ الخاقانی فی التجوید وغیرہا۔

امام شاطبی: قاسم بن فیُرہ۔ ولادت ۵۳۳ھ شاطبہ (قریہ اندلس) وفات ۲۸/ جمادی الآخرہ ۵۹۰ھ قاہرہ۔

تصنیفات میں سب سے زیادہ اعلیٰ قصیدہ لامیہ شاطبیہ ہے اور قصیدہ رائیہ۔

امام سخاوی: علی بن محمد بن عبد الصمد ہمدانی سخاوی۔ ولادت ۵۵۸ھ یا ۵۵۹ھ سخا (مصر) وفات ۱۸/ جمادی الآخرہ ۶۴۳ھ۔

تصانیف (۱) فتح الوصید شرح شاطبیہ (شاطبیہ کی سب سے پہلی شرح) (۲) الوسیلہ الی شرح العقیلہ، امام شاطبی کے قصیدۂ رائیہ کی شرح (۳) المفضل فی شرح المفصل (نحو) ۴/ جلدیں (۴) سفر السعادہ وسفیر الافادۃ (مفصل ہی کی دوسری شرح) (۵) زمخشری کے **احاجی نحویہ** کی شرح (۶) چار جلدوں میں سورۂ کہف تک کی تفسیر (۷)

القصائد السبع فی مدح سید الخلق ﷺ (۸) المفاخرہ بین دمشق والقاہرہ وغیرہا۔

شیخ جعبری: ابواسحٰق ابراہیم بن عمر جعبری۔ ولادت ۶۴۰ھ تقریبًا (قلعہ جعبر) وفات ۱۳/ رمضان ۷۳۲ھ۔

تصنیفات میں شاطبیہ ورائیہ کی شرحیں اور بہت سی کتابیں ہیں۔

ابویوسف ہمدانی: منتخب الدین بن ابی العز بن رشید۔ وفات ۶۳۳ھ دمشق۔

تصنیفات میں شرح شاطبیہ وشرح مفصل ہیں۔

امام جزری: محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف جزری۔ ولادت شب شنبہ ۲۵/ رمضان ۷۵۱ھ دمشق۔ وفات چاشت جمعہ ۵/ ربیع الاول ۸۳۳ھ شیراز۔

تصنیفات (۱) النشر فی القراءات العشر ۲/ جلدیں (۲) مختصر نشر، تقریب (۳) تحبیر التیسیر فی القراءات العشر (۴) طبقات القراء وتاریخ کبریٰ وصغریٰ (۵) شرح المصابیح، ۳/ جلدیں (۶) غایۃ المہرہ فی الزیادۃ علی العشرہ (۷) طیبۃ النشر فی القراءات العشر (منظوم) (۸) الجوہرۃ فی النحو وغیرہا۔[1]

نقشہ اختلاف قراءت (سورۃ النور پارہ ۱۸)							
قاری	(۱) نافع مدنی	(۲) ابن کثیر مکی	(۳) ابوعمرو بصری	(۴) ابن عامر شامی	(۵) عاصم کوفی	(۶) حمزہ کوفی	(۷) علی کسائی کوفی
راوی	۱-قالون	۱-بزّی	۱-دُوری	۱-ہشام	۱-شعبہ	۱-خلف	۱-ابوالحارث
راوی	۲-ورش	۲-قنبل	۲-سوسی	۲-ابن ذکوان	حفص	۲-خلّاد	۲-دوری

۱: مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ فی موضوعات العلوم، احمد بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ، ج:۲، ص:۶ تا ۵۶

https://alislami.net

نمبر کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
١	فَرَّضْنٰهَا فَرَضْنٰهَا	١ //	را مشدد را مخفف	ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری باقی قرّاء	ہم نے اسے خوب فرض کیا ہم نے اسے فرض کیا
٢	تَذَكَّرُوْنَ تَذَّكَّرُوْنَ	١ و ٢٧ //	ذال مخفف ذال مشدد	حفص، حمزہ، کسائی باقی قراء	(تاکہ تم) دھیان کرو //
٣	رَاَفَةٌ رَاْفَةٌ رَافَةٌ	٢ // //	ہمزۂ مفتوحہ ہمزۂ ساکنہ الف	ابن کثیر باقی قراء سوسی	رحم، ترس // // //
٤	الْمُحْصِنٰت الْمُحْصَنٰت	٤ و ٢٣ //	صاد کو زیر صاد کو زبر	کسائی باقی قراء	پارسا عورتیں //
٥	اربعُ شھٰدات اربعَ شھٰدات	٦ //	عین کو پیش عین کو زبر	حمزہ، کسائی، حفص باقی قراء	(ایسے کسی کی گواہی چار گواہیاں ہیں) (ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہیاں دے)
٦	اَنْ لَعْنَتُ اَنَّ لَعْنَتَ	٧ //	اَنْ بلا تشدید نون، تا کو ضمہ اَنّ بنونِ مشدد، تا کو فتحہ	نافع باقی قراء	یہ کہ اللہ کی لعنت //
٧	لَعْنَهْ (وقف میں) لَعنَتْ (//)	٧ //	تا کو ہا سے بدل کر تا کو ساکن کر کے	مکی، بصری، کسائی باقی قراء	یہ کہ اللہ کی لعنت //
٨	الخَامسةَ الخامسةُ	٩ //	تا کو نصب تا کو رفع	حفص باقی قراء	پانچویں (یوں گواہی دے) پانچویں گواہی یہ کہ
٩	أَنْ غَضِبَ اللّٰهُ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ	٩ //	اَنْ مخفف، ضاد کو کسرہ، ہا کو ضمہ اَنّ مشدد، ضاد کو فتحہ، ہا کو کسرہ	نافع باقی قراء	اللہ غضب کرے (اس پر) اللہ کا غضب (اس پر)

شمارہ کلمات اختلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۱۰	لَاتحسِبوہ	۱۱	سین کو زیر	نافع، ابن کثیر مکی، ابو عمرو بصری	اسے نہ سمجھو
	تحسِبونہ	۱۵	//	//	تم اسے سمجھتے ہو
	یحسِبہ	۳۹	//	//	اسے سمجھتا ہے
	لَاتَحْسِبَنَّ	۵۷	//	//	ہرگز نہ سمجھنا
	(مذکورہ چہار کلمات)		سین کو زبر	باقی قراء	ایضًا
۱۱	لَا یَحْسَبَنَّ	۵۷	یا کے ساتھ	ابن عامر، حمزہ	ہرگز نہ سمجھے
	لَا تَحْسَبَنَّ		تاے خطاب کے ساتھ	باقی قراء	ہرگز نہ سمجھنا
۱۲	اِذْ تَّلَقَّوْنَہٗ	۱۵	تا مشدد	نافع، مکی، بصری	جب تم ایسی بات ایک دوسرے
	اِذْ تَلَقَّوْنَہٗ		تا مخفف	باقی قراء	سے سن کر لاتے
۱۳	رَءُفٌ	۲۰	بغیر واو	ابو عمرو، شعبہ، حمزہ، کسائی	مہربان
	رَءُوْفٌ		واو کے ساتھ	باقی قراء	//
۱۴	خُطُوات (دونوں جگہ)	۲۱	طا کو پیش	قنبل، ابن عامر، حفص	قدموں
	خُطْوٰتٌ		طا ساکن	باقی قراء	//
۱۵	یومَ یَشْھَدُ	۲۴	یا، مذکر کے ساتھ	حمزہ، کسائی	ان پر گواہی دیں۔
	یومَ تَشْھَدُ	//	تا، تانیث کے ساتھ	باقی قراء	//
۱۶	بُیُوت (جہاں بھی ہو)	۲۲و۲۹	با کو پیش	ورش، ابو عمرو، حفص	گھروں
	بِیُوت	و۳۶و۶۱	با کو زیر	باقی قراء	//
۱۷	قُیِلَ (ماضی مجہول جہاں بھی ہو)	۲۸	بالاشمام	ہشام، کسائی	کہا گیا
	قِیلَ		بلا اشمام	باقی قراء	//
۱۸	جُیوبِھِنَّ	۳۱	جیم کو پیش	نافع، ابو عمرو، ہشام، عاصم	اپنے گریبانوں
	جِیُوبِھِنَّ	//	جیم کو زیر	باقی قراء	//

https://alislami.net

نمبر کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۱۹	غیرَ اولی غیرِ اُولِیٖ	۳۱ 〃	رَا کو زبر را کو زیر	ابن عامر، شعبہ باقی قراء	شہوت والوں کے علاوہ جو شہوت والے نہ ہوں
۲۰	ایُّہُ المومنون ایُّہَ المومنون ایُّھا (بحالت وقف) ایُّہْ (〃)	۳۱	ہا کو پیش ہا کو زبر ہا مع الف ہ موقوف	ابن عامر (بحالت وصل) باقی قراء ابو عمرو، کسائی باقی قراء	اے ایمان والو 〃 〃 〃
۲۱	مُبَیِّنٰت مُبَیَّنٰت	۳۴ و ۴۶	یا کو زیر یا کو زبر	ابن عامر، حفص، حمزہ، کسائی باقی قراء	صاف بیان کرنے والی (آیتیں) روشن آیتیں
۲۲	دِرِّیْءٌ دُرِّیٌّ دُرِّیْءٌ	۳۵	دال کو زیر، یا ساکن پھر ہمزہ دال کو پیش، بغیر یا مدہ بجائے ہمزہ یا مشددہ دال کو پیش، یا ساکن پھر ہمزہ	ابو عمرو، کسائی نافع، ابن کثیر، ابن عامر، حفص حمزہ، شعبہ	موتی سا چمکتا 〃 〃
۲۳	یُسَبَّحُ یُسَبِّحُ	۴۱	بصیغۂ مجہول، با کو زبر معروف با کو زیر	ابن عامر، شعبہ باقی قراء	اللہ کی تسبیح کی جاتی ہے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں
۲۴	سحابُ ظُلمٰتٍ سحابٌ ظلمٰتٍ سحابٌ ظُلمٰتٌ	۴۰	با پر پیش بلا تنوین تا پر زیر مع تنوین۔ با پر پیش مع تنوین، 〃 با اور تا پر پیش مع تنوین	بزّی قنبل باقی قراء	تاریکیوں کے بادل بادل۔ تاریکیاں بادل۔ تاریکیاں

https://alislami.net

شمارہ کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۲۵	يُنْزِلُ	۴۳	باب افعال سے۔ نون ساکن، زا کو کسرہ بلا تشدید	مکی، بصری	اتار تا ہے
	يُنَزِّلُ		تفعیل سے۔ نون کو فتحہ زا کو کسرہ مع تشدید	بقیہ قراء	اتار تا ہے۔(تھوڑا تھوڑا)
۲۶	خٰلِقُ كلِّ دَابَّةٍ	۴۵	خا کے بعد الف، لام کو کسرہ، ق کو ضمہ کُل کے لام کو کسرہ	حمزہ، کسائی	(اللہ) زمین پر ہر چلنے والے کا (پانی سے) بنانے والا
	خَلَقَ كلَّ دابة		خا کو فتحہ بلا الف، لام اور قاف کو فتحہ کل کے لام کو فتحہ	بقیہ قراء	(اللہ نے) زمین پر ہر چلنے والا (پانی سے) بنایا۔
۲۷	سِراط	۴۶	سین سے	قنبل	راستہ
	صِراط		بالاشمام، صاد کو قدرے زا کی بو دے کر پڑھنا	خلف	//
	صِراط		صاد	دیگر قراء	//
۲۸	وَيَتَّقِهِ	۵۲	قاف کو زیر، ہا کو زیر بلا صلہ	قالون (بلا خلف) ہشام (باخلف)	اور اس سے ڈرے
	وَيَتَّقْهِ		قاف ساکن، ہا کو زیر بلا صلہ	حفص	//
	وَيَتَّقِهْ		قاف کو زیر، ہا ساکن	بصری و شعبہ بلا خلف، خلّاد بالخلف۔	//
	وَيَتَّقِهٖ		قاف کو زیر، ہا کو زیر مع صلہ	ورش، مکی، ابن ذکوان، خلف، کسائی	//

https://alislami.net

نمبر کلمات خلاف	کلمات (قراءت)	آیت	توضیح قراءت	اصحاب قراءت	ترجمہ
۲۹	فَاِن تَّوَلَّوا فَاِنْ تَوَلّوا	۵۴	تا مشدد بلا تشدید	بزّی (بحالت وصل) باقی قراء	پھر اگر تم منہ پھیرو //
۳۰	کَمَا اسْتُخْلِفَ کَمَا اسْتَخْلَفَ	۵۵	بصیغۂ مجہول تا کو پیش لام کو زیر (معروف) تا اور لام کو زبر	شعبہ باقی قراء	جیسے خلافت دی گئی اُن سے پہلوں کو جیسے اس نے خلافت دی
۳۱	وَلَیُبْدِلَنَّھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ		باساکن، دال مخفف بامفتوح، دال مشدد	ابن کثیر، شعبہ باقی قراء	اور وہ اُسے ضرور بدل دے گا //
۳۲	ثَلٰثُ عَوْرَاتٍ ثَلٰثَ عوراتٍ	۵۸	دوسری ثا کو رفع دوسری ثا کو نصب	نافع، مکی، بصری، شامی، حفص حمزہ، کسائی، شعبہ	یہ تمھارے لیے تین اوقاتِ شرم ہیں تین شرم کے اوقات میں
۳۳	بِیُوتِ اِمِّھاتکم بیوتِ اِمَّھاتکم بیوتِ اُمَّھاتکم	۶۱	ہمزہ اور میم دونوں کو زیر ہمزہ کو زیر میم کو زبر ہمزہ کو پیش میم کو زبر	حمزہ (بحالت وصل) کسائی (//) حمزہ و کسائی بحالت ابتدا باقی قراء بہر دو حالت	اپنی ماؤں کے گھروں // //

پوری سورۂ نور کے اختلافات قراءت ہم نے پیش کر دیے۔ نقشۂ اختلاف سے ظاہر ہے کہ یہ اختلافات صرف بعض حرکات و حروف یا طریق ادا سے متعلق ہیں۔ معانی میں ہرگز کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوتی جس سے کوئی حلال، حرام یا کوئی حرام حلال ہو جائے۔ بلکہ آپ غور کریں تو اکثر جگہ یہی واضح ہو گا کہ محض اعراب و ترکیب یا طریق ادا کا فرق ہے۔ جن سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بعض مقامات پر اگر کلمات کا فرق ہے تو بھی مقصود کلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں مَلِکِ یوم الدّین (روز

https://alislami.net

جزا کا بادشاہ) مَلِک یوم الدین (روز جزا کا مالک) مالک اور بادشاہ دونوں خدا کے لیے صحیح، اور دونوں صفات پر اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔ اُنزل (یک بارگی اترا) نُزّل (تھوڑا تھوڑا اترا) قرآن کے بارے میں دونوں حق ہیں۔ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف پورا قرآن یک بارگی اترا۔ اور رسول اللہ ﷺ پر تیئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ علاوہ ازیں انزل اور نزّل ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

فوائد اختلاف

کوئی سوچ سکتا ہے کہ آخر ان اختلافات میں کیا خوبی اور کیا حکمتیں تھیں کہ منسوخ نہ ہوئے بلکہ باقی رکھے گئے؟ ایسے حضرات کے لیے جواباً اور افادۃً لکھا جاتا ہے کہ ان اختلافات میں بھی بہت سے فوائد اور بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) امت کے لیے اس میں بہت نرمی، سہولت اور آسانی ہے کہ ان مختلف طریقوں میں سے جس طریق پر کوئی چاہے قرآن کی تلاوت کرے۔ اس کی نماز جائز۔ اس کا مقصود حاصل۔ اور اس کے لیے اجر ثابت۔

(۲) اگر کوئی شخص تمام طرق کی قراءت کرے تو اس کا ثواب اس حیثیت سے بہت عظیم و کثیر کہ اس نے ان قراءتوں اور طریقوں کی تحقیق لفظ، لفظ، حرف، حرف حتی کہ مدوں کی کثیر مقداروں اور امالوں کے فروق تک کے ضبط و حفظ۔ اور ان سب کی مراعات میں بھرپور محنت صرف کی۔ اور ان سب کی ادائیگی اور تلاوت سے شرف یاب ہوا۔ ظاہر ہے کہ محنت و عمل میں جس قدر زیادتی ہوگی۔ ثواب میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (قرآن) بے شک اللہ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ افضل العبادات احمزھا (حدیث) بہترین عبادت وہ ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔

(۳) ان اختلافات کے باعث اہل علم و اجتہاد کے لیے معانی میں فکر و تدبر کی مزید

راہیں کھلتی ہیں۔ ہر قراءت کے نظم کی عبارت، دلالت، اشارت، اور اقتضا سے احکام ومسائل کے استنباط کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ ہر کلمۂ مختلف یا مختلف کلمات کی توجیہ، تعلیل اور ترجیح ظاہر کرنے پر تحقیقی وتدقیقی نظر کا موقع ملتا ہے۔ اور ان سب میں فکر واجتہاد سے کام لے کر واقعۃً انھوں نے بے شمار شرعی احکام کا استخراج کیا۔ جس سے امت کو اپنے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے مسائل واحکام دست یاب ہوئے۔ بہت سی آسانیاں بھی ملیں۔ اوران مسائل واحکام پر عمل کرکے وہ اجر وثواب کی مستحق ہوئی اور ہوتی ہے۔ ان سب کا ثواب اصحاب اجتہاد واستنباط کو بھی ملتا ہے۔ ان کا ذاتی ثواب، علمی رفعت، امتیازی فضل وشرف، اور دوسرے عمومی فوائد کا حصول مزید برآں۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

(۴) پھر ان کثیر اختلافات اوران کی بقا میں حفاظت ربانی کا اعجاز بھی نمایاں ہے کہ اس نے اپنی مقدس کتاب کو ان تمام وجوہ کثیرہ اور قراءات مختلفہ کے ساتھ، اسی عالمِ رنگ وبو، اوراسی دنیاے متغیّر میں ہر قسم کی تحریف اور تغیر وتبدل سے محفوظ رکھا۔

(۵) اس میں اس امت مرحومہ کے فضل وشرف اور عنداللہ اس کی عظمت ومحبوبیت کا بھی اظہار ہے کہ دیگر امتوں کو ایک ہی طرز وطریق پر کتابیں ملیں۔ اور یہ امت ان طرق کثیرہ سے بہرہ ور ہوئی۔

(۶) اگر قراءتوں کے تنوع پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر قراءت علاحدہ آیت کا حکم رکھتی ہے۔ مثلاً مَلِک اور مالک دونوں قراءتوں کے اعتبار سے ملک یوم الدین اور مَلِک یوم الدین۔ گویا دو آیتیں ہیں ایک سے ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت اور اس کا نام ہے **"بادشاہِ روز جزا"**۔ اور دوسری سے اس کی ایک اور صفت مالکِ روز جزا معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے اصول فقہ میں یہ مسئلہ طے ہوچکا ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کا حکم رکھتی ہیں۔ اس طرح صرف ایک کلمہ میں اختلاف قراءت کے باعث ہمیں دو یا زیادہ حکم معلوم ہوجاتے ہیں، جو الگ الگ بیان ہوتے تو دو یا زیادہ آیتوں کی

ضرورت ہوتی اور موجودہ صورت میں صرف کلمات کے اندر اختلافات قراءت کئی آیات کی ضرورت پوری کردیتے ہیں۔ لہٰذا اگر اختلاف قراءت کی بجائے علاحدہ علاحدہ قراءتیں الگ الگ آیتوں میں ہوتیں تو بہت زیادہ طول واطناب ہوتا۔ صرف قراءتوں کے مختلف، اور آیتوں کے متحد رہنے میں کمال ایجاز کا ظہور ہے کہ دیکھنے میں تو آیات مختصر ہیں مگر بلحاظ تعددِ قراءت، معانی بہت زیادہ، اور ایک آیت کئی آیتوں کے مضامین پر مشتمل ہے۔ اس نوع کا کمالِ ایجاز بھی قرآن کریم کا عظیم اعجاز ہے۔ جس کی مثال کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتی۔

(۷) بعض مقامات میں ایک قراءت، دوسری قراءت کے اجمال کی تفسیر و تفصیل کردیتی ہے۔ مثلاً ایک قراءت میں یَطْهُرنَ تخفیف کے ساتھ ہے۔ دوسری میں یَطَّهَّرْنَ تشدید کے ساتھ ہے پہلی کے معنی وہ پاک ہوجائیں۔ دوسری کے معنی وہ خوب پاک ہوجائیں۔ دوسری قراءت پہلی قراءت کی تفسیر کردیتی ہے۔[1] ایک قراءت میں ہے فامضوا الی ذکر اللّٰہ دوسری میں فاسعوا الی ذکر اللّٰہ پہلی کے معنی (جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو) تو خدا کے ذکر کی طرف چل پڑو۔ دوسری کے معنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ پہلی قراءت سے دوسری کی تفسیر ہوگئی کہ مقصود یہ ہے کہ ذرا چستی کے ساتھ چل پڑو۔ دوڑنا مراد نہیں۔[2]

اختلاف قراءت میں علمانے اور بھی حکمتیں بتائی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند بیان کردی گئیں۔ ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ

(۱) اختلاف قراءت سے اصل مفہوم و مقصود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ بیشتر مقامات میں تو ترجمہ پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۱: ہماری کتب اصول فقہ میں اس کی ایک اور عمدہ توجیہ ہے۔ اُسے وہیں سے معلوم کریں۔ یہاں بخوف طوالت ترک کی جاتی ہے۔

۲: اتقان، ج:۱، ص:۸۴، باضافۂ تشریح و توضیح

(۲) اختلاف قراءت کوئی عیب ونقص نہیں بلکہ بہت سے فوائد، حِکَم، مَصالح اور بے مثال محاسن پر مشتمل ہے۔

(۳) یہ کسی کی ایجاد واختراع نہیں بلکہ خدا کی طرف سے نازل اور سرکار مہبط وحی ﷺ سے ثابت ہے اور قرآن کے دورۂ اخیرہ میں قائم وباقی، اور دور رسالت سے اب تک بتواتر منقول ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو اختلاف قراءت کو خواہ مخواہ ایک زبردست اعتراض بناکر پیش کرنا آخر کون سی حکمت پر مبنی ہے؟ کیا اس طرح کے بے مغز اعتراضات سے تورات وانجیل کی تحریفات پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے؟ صدیوں کے کھلے ہوئے جرائم، بہر حال جرائم ہی رہیں گے۔ وہ عیوب وقبائح، قرآن پر اعتراض کرلینے سے محاسن وکمالات میں تبدیل نہیں ہوسکتے۔ نہ ہی ان کے خود کردہ جرائم اور قرآن کے ازلی وابدی محاسن پر کوئی پردہ پڑ سکتا ہے۔ وھو الھادی الی سواء السبیل۔

قراءت سبعہ پر اقتصار کیوں؟

اب یہ ایک سوال رہ جاتا ہے کہ جب ائمۂ قراءت بہت تھے، جن میں بعض حضرات ائمۂ سبعہ سے زیادہ جلیل القدر اوران پر فائق ہیں۔ اور بعض حضرات ان کے ہم رتبہ ہیں پھر سات ہی ائمہ کی قراءتوں پر اقتصار کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اوران کے رُواۃ واقعۃً بہت تھے، مگر جب حوصلے پست ہوگئے۔ تمام قُرّا، اوران کے بے شمار تلامذہ ورُواۃ سے اخذ وروایت مشکل ودشوار ٹھہری تو لوگوں نے خط مصحف کے موافق قراءتوں میں سے صرف ان طُرق پر اقتصار کرلیا جن کا حفظ آسان ہو اور جن سے قراءتوں کا انضباط بھی ہوجائے یعنی اس طرح کہ ثابت شدہ قراءتوں میں سے کوئی چھوٹ نہ سکے۔ اس لیے ہر شہر سے ایک امام کو لے لیا۔ اوران دوسری قراءتوں کی بھی روایت وقراءت نہ ترک کی جوان کے علاوہ دیگر ائمۂ قراءت کے

نزدیک تھیں۔ جیسے امام یعقوب، امام ابو جعفر، امام شیبہ وغیرہم کی قراءتیں۔[1]

ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

لَيْسَتْ هَذِهِ السَّبْعَةُ مُتَعَيِّنَةً لِلْجَوَازِ حَتَّى لَا يَجُوزَ غَيْرُهَا كَقِرَاءَةِ أَبِي جَعْفَرٍ وَشَيْبَةَ وَالْأَعْمَشِ وَنَحْوِهِمْ فَإِنَّ هَؤُلَاءِ مِثْلُهُمْ أَوْ فَوْقَهُمْ.[2]

"ایسا نہیں کہ صرف یہی سات قراءتیں جائز ہیں، اور دوسری قراءتیں نہیں جیسے ابو جعفر، شیبہ، اعمش اور دوسرے ائمہ کی قراءتیں۔ (ان کی قراءتیں کیوں کر جائز نہ ہوں گی جب کہ) یہ لوگ بھی ائمۂ سبعہ کے ہم رتبہ یا اُن سے بھی فائق ہیں"۔

جس طرح کثرتِ ائمہ اور ان کی قراءتوں کے جواز کے بارے میں فرمایا گیا۔ یوں ہی ائمۂ سبعہ کے رواۃ سے متعلق بھی اقوال ہیں۔ ابوحیان نے کہا:

هَذَا أَبُو عَمْرِو بْنُ الْعَلَاءِ اشْتَهَرَ عَنْهُ سَبْعَةَ عَشَرَ رَاوِيًا ثُمَّ سَاقَ أَسْمَاءَهُمْ وَاقْتَصَرَ فِي كِتَابِ ابْنِ مُجَاهِدٍ عَلَى الْيَزِيدِيِّ وَاشْتَهَرَ عَنِ الْيَزِيدِيِّ عَشْرَةُ أَنْفُسٍ فَكَيْفَ يَقْتَصِرُ عَلَى السُّوسِيِّ وَالدُّورِيِّ وَلَيْسَ لَهُمَا مَزِيَّةٌ عَلَى غَيْرِهِمَا! لِأَنَّ الْجَمِيعَ يَشْتَرِكُونَ فِي الضَّبْطِ وَالْإِتْقَانِ وَالِاشْتِرَاكِ فِي الْأَخْذِ. قَالَ: وَلَا أَعْرِفُ لِهَذَا سَبَبًا إِلَّا مَا قُضِيَ مِنْ نَقْصِ الْعِلْمِ.[3]

(قرائے سبعہ میں سے) یہ ابو عمرو بن العلا ہیں جن سے سترہ رُواۃ (ابوحیان نے ان کے نام بھی گنائے) مشہور ہیں۔ اور کتاب ابن مجاہد میں صرف یزیدی کا نام ہے پھر

۱: اتقان، ج:۱، ص:۸۳
۲: اتقان، ج:۱، ص:۸۲
۳: اتقان، ج:۱، ص:۸۲

یزیدی سے دس راوی شہرت یافتہ ہیں تو صرف سوسی و دوری پر اقتصار کیوں ہوگا۔ جب کہ انھیں دوسروں پر کوئی فضیلت نہیں کیوں کہ ضبط واتقان اور شرکتِ تحصیل میں سب برابر ہیں۔ مجھے اس کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ علم کی کمی مقدر ہوچکی ہے۔

یوں ہی امام مکی، ابوالعلاء ہمدانی، بغوی وغیرہم ائمۂ قراءت کے ارشادات ہیں۔ اس کی صراحت کرنے والے آخری شخص امام تقی الدین سبکی ہیں۔ ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں۔ ہمارے والد سے ایک شخص نے قراءات سبعہ کی اجازت مانگی تو انھوں نے فرمایا۔ میں نے تمھیں قراءات عشرہ کی اجازت دی۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

الْقِرَاءَاتُ السَّبْعُ الَّتِي اقْتَصَرَ عَلَيْهَا الشَّاطِبِيُّ وَالثَّلاثُ الَّتِي هِيَ قِرَاءَةُ أَبِي جَعْفَرٍ وَيَعْقُوبَ وَخَلَفٍ مُتَوَاتِرَةٌ مَعْلُومَةٌ مِنَ الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ وَكُلُّ حَرْفٍ انْفَرَدَ بِهِ وَاحِدٌ مِنَ الْعَشَرَةِ مَعْلُومٌ مِنَ الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكَابِرُ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا جَاهِلٌ.

وہ سات قراءتیں جن پر شاطبی نے اقتصار کیا ہے اور وہ تین جو ابوجعفر، یعقوب اور خلف کی قراءتیں ہیں یہ سب بالضرورۃ دین سے معلوم ہیں۔ اور ہر وہ قراءت جو ائمۂ عشرہ میں سے کسی ایک کے پاس ہو وہ بھی ضروریات دین سے، اور رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ ہے۔ ان میں سے کسی بات پر بھی کوئی جاہل ہی مکابرہ کرے گا۔

وہی علامہ سبکی کے فرزند **منع الموانع** میں فرماتے ہیں کہ ---ہم نے **جمع الجوامع** میں یہ بتایا کہ ساتوں قراءتیں متواتر ہیں۔ پھر شاذ اور صحیح کے بارے میں کہا کہ یہ عشرہ کے علاوہ ہیں۔ ہم نے یہ نہ کہا کہ عشرہ متواتر ہیں۔ اس لیے کہ سبعہ کے تواتر میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا ہم نے انھیں پہلے ذکر کیا۔ پھر مقام خلاف کو اسی پر منعطف کیا۔

مگر سبعہ کے علاوہ بقیہ تین قراءتوں کے نامتواتر ہونے کا قول انتہائی گیا گزرا ہے، کسی ایسے شخص سے وہ منقول نہیں جس کا قول دین میں قابل اعتبار ہو۔ پھر یہ تینوں قراءتیں رسم مصحف کے مخالف بھی تو نہیں۔ (۱)

قراب نے شافی میں فرمایا:

التَّمَسُّكُ بِقِرَاءَةِ سَبْعَةٍ مِنَ الْقُرَّاءِ دُونَ غَيْرِهِمْ لَيْسَ فِيهِ أَثَرٌ وَلَا سُنَّةٌ وَإِنَّمَا هُوَ مِنْ جَمْعِ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ فَانْتَشَرَ وَأَوْهَمَ أَنَّهُ لَا تَجُوزُ الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ وَذَلِكَ لَمْ يَقُلْ بِهِ أَحَدٌ. (۲)

صرف سات ائمہ کی قراءتیں لینا دیگر ائمہ کی نہیں۔ اس بارے میں نہ کوئی اثر ہے نہ سنت۔ یہ صرف بعض متاخرین کی تالیف ہے جس سے یہ انتشار و وہم پیدا ہوا کہ اس پر زیادتی جائز نہیں حالاں کہ اس کا قائل کوئی نہیں۔

قراءتوں کا معیار قبول

علماے اسلام نے کسی قراءت کے قبول کا معیار تین باتوں کو قرار دیا ہے:

(۱) وہ قراءت زبان عربی کے مطابق ہو--- خواہ نحو کے کسی بھی طریقہ پر ہو، افصح یا فصیح متفق علیہ۔ یا فصیح مختلف فیہ۔ جب کہ وہ قراءت ائمہ کے نزدیک شائع و ذائع اور سند صحیح سے ثبوت کے باعث قبول یافتہ ہو۔

(۲) مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو۔ اگرچہ موافقت محض احتمالاً ہو۔ جیسے ملك کہ یہ مالك بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ ملك الملك کے طور پر۔ اور بعض جگہ تو احتمالاً نہیں بلکہ صراحۃً ہوتی ہے جیسے لعلموں کہ اسے یعلمون اور

۱: اتقان، ج:۱، ص:۸۴

۲: اتقان، ج:۱، ص:۸۴

تعلمون دونوں پڑھ سکتے ہیں، اس لیے کہ اس وقت تک نقطے ایجاد نہ ہوئے تھے۔

(۳) وہ قراءت صحیح سند سے ثابت ہو۔

جب کسی قراءت میں یہ تینوں ارکان پالیے جائیں تو وہ قراءت مقبول، صحیح اور ناقابل انکار ہے۔ خواہ ائمۂ سبعہ وعشرہ سے مروی ہو یا دوسرے ائمۂ مقبولین سے۔ اور اگر ان تین ارکان میں سے کوئی رکن فوت ہو تو وہ قراءت ضعیف، شاذ، یا باطل کہی جائے گی۔ اگرچہ ائمۂ سبعہ یا ان سے بھی بزرگ تر ائمہ کی طرف منسوب ہو۔ [1]

اس سے واضح ہوا کہ (۱) ہر ایسی قراءت جس کی روایت ائمۂ سبعہ وعشرہ کے علاوہ سے ہو ضعیف و شاذ نہیں (۲) اور ہر وہ قراءت جو ائمۂ سبعہ کی طرف منسوب ہو صحیح و متواتر نہیں، معیار قبول پر پوری اترنا شرط ہے---ہاں ائمۂ سبعہ کی اکثر قراءتیں متواتر ہیں۔ بعض مشہور اور چند شاذ بھی ہیں۔ علمائے قراءت نے ان سب کی تحقیق و تنقیح کر دی ہے۔

اقسام قراءت

اسی لیے ائمہ نے قراءتوں کی پانچ قسمیں بتائی ہیں:

(۱) متواتر- جسے ہر دور میں ایسی جماعت اور ایسے لوگوں نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ٹھہرے۔ اکثر قراءتیں متواتر ہی ہیں۔

(۲) مشہور- جس کی سند صحیح، عربی زبان اور رسم مصحف کے موافق، قُرا کے نزدیک شہرت یافتہ ہو۔ مگر درجۂ تواتر کو نہ پہنچتی ہو۔ اس کی مثال وہ قراءتیں ہیں، جن کے ائمۂ سبعہ سے منقول ہونے میں طُرق مختلف ہوں کسی راوی نے ذکر کیا ہو کسی نے نہیں۔ فُرُشِ حروف میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔

۱: اتقان، ج:۱، ص:۷۷ ملخصًا

اس بارے میں مشہور تصانیف یہ ہیں: **تیسیر للدانی، قصیدۂ شاطبی، اوعیۃ النشر فی القراءات العشر لابن الجزری، تقریب النشر (لہ)۔**

(۳) آحاد- جس کی سند صحیح ہو، مگر رسم مصحف یا زبان عربی کے مخالف ہو، یا اُسے مشہور کی شہرت نصیب نہ ہو۔ ایسی قراءت قابل تلاوت نہیں۔

(۴) شاذ- جس کی سند صحیح نہ ہو۔

(۵) موضوع- جو بالکل بے اصل، گڑھی ہوئی ہو۔

(۶) مدرج- علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے مراد وہ عبارت ہے جو درمیان تلاوت بطور تفسیر آگئی ہو۔[1]

۱: اتقان، ج:۱، ص:۷۹ ملخصًا

شیعہ اور قرآن

مخالفین اسلام قرآن پر جہاں اور بہت سے بے جا اعتراضات کرتے ہیں وہیں اختلاف شیعہ کو بھی حجت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان ہی کی بے باکیوں، گستاخیوں، اور الزام تراشیوں نے منکرین اسلام کو قرآن کے خلاف زہر افشانیوں کا حوصلہ دیا ہے ---اس لیے ایک ذمہ دار اور منصف مزاج شخص کی طرح صبر کے ساتھ **ان کی باتیں** بھی ذکر کر کے ان پر پوری تنقید ضروری ہے۔

(ا) شیعوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر اس کام کی تحقیر کرتے ہیں جسے خلفاے ثلثہ صدیق وفاروق وذوالنورین یا ان صحابہ کرام نے انجام دیا ہو جن سے روافض کو دشمنی ہے۔ گذشتہ اوراق میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ صدیق اکبر کی قرآنی خدمت پر یہ **بدعت** کا الزام عائد کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ قرآن کو تحریف شدہ بھی کہتے ہیں۔ کلینی نے (جسے شیعوں میں وہ درجہ دیا جاتا ہے جو اہل سنت میں امام بخاری کو حاصل ہے) ابو عبداللہ سے بروایت ہشام بن سالم نقل کیا ہے کہ جو قرآن حضرت جبرئیل محمد ﷺ کے پاس لائے اس میں سترہ ہزار آیتیں ہیں۔ جب کہ اہل سنت کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ قرآن میں کل چھ ہزار چھ سو سولہ آیات ہیں۔

ان ہی سے محمد بن نصر کی روایت نقل کی ہے کہ سورہ لم یکن میں قریش کے ستر آدمیوں کے نام مع ولدیت تھے۔ محمد بن جہم ہلالی وغیرہ کے واسطے سے ابو عبداللہ سے یہ روایت کی ہے کہ ان امة هی اربی من امة کلام اللہ نہیں، بلکہ اس کی جگہ ائمة هی ازکی من ائمتکم نازل ہوا ہے۔ ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی تصنیف کتاب المثالب میں لکھا ہے کہ سورۃ الولایۃ پوری کی پوری قرآن سے حذف کر دی

گئی، اسی طرح سورۂ احزاب سے جامعین قرآن نے اہل بیت کے فضائل ساقط کر دیے، ورنہ یہ سورہ انعام کے برابر تھی۔ یوں ہی لا تحزن ان اللّٰہ معنا (ابوبکر غم نہ کرو، بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے) سے پہلے لفظ ویلک (تمہیں خرابی ہو) تھا وہ ساقط کر دیا گیا۔ وقفوھم انھم مسئولون کے بعد عن ولایۃ علی تھا۔ کفی اللّٰہ المؤمنین القتال کے بعد بعلی بن ابی طالب تھا۔ وسیعلم الذین ظلموا کے بعد آل محمد تھا۔ سب حذف کر دیا گیا۔ سورۂ الم نشرح میں وجعلنا علیا صھرك (اور ہم نے علی کو تمھارا داماد کیا) تھا جس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضرت علی کے داماد رسول ہونے کی تخصیص ہے جس سے حضرت عثمان کے داماد رسول ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ (۱)

مختصر تحفۂ اثنا عشریہ (عربی) کے حاشیہ میں ہے---حسین بن محمد نوری طبرسی نامی ایک طاغوت روافض نے اس بارے میں فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب لکھی ہے جو چار سو بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں روافض کے بڑے بڑے طاغوتوں سے تحریف قرآن کے دعوے پر سیکڑوں عبارتیں اور نقلیں درج ہیں۔ طبرسی ۱۲۹۲ھ میں مشہد نجف علی کے اندر اس کتاب کے گناہ تالیف کا مرتکب ہوا۔ ۱۲۹۸ھ میں یہ کتاب ایران سے شائع ہوئی۔ دارالفتح کی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ منافقین روافض تقیۃً اس کتاب سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن اس اظہار براءت اور انکار تصنیف سے فائدہ کیا؟ جب کہ اپنی دوسری کتابوں میں اس موضوع پر عبارتوں اور نقلوں کے بوجھ ہزاروں سال سے لادے پھر رہے ہیں۔ وہی سب اس کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ (۲)

۱: تحفہ اثنا عشریہ، مختلف مقامات

۲: ص:۳۰

(۲) روافض قرآن کو اپنے ادلّۂ اربعہ (کتاب، خبر، اجماع، عقل) میں سے ایک مانتے ہیں۔ مگر اس قرآن کو تحریف شدہ بتاتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں موضوع (گڑھی ہوئی) روایات پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ہوگیا۔ پھر اس کے ناقابل اعتبار ہونے کی دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس قرآن کے ناقلین بھی تورات وانجیل کے ناقلین کی طرح تھے۔ کیوں کہ ان میں بعض تو منافق تھے، جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض دین کے معاملہ میں مُداہن، نرم اور چاپلوس تھے۔ جیسے عام صحابہ جنھوں نے اکابر کی پیروی کی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۳) حد یہ ہے کہ خود بھی قرآن کا کوئی صحیح نسخہ پیش نہیں کرتے۔ بس یہ کہہ کر اپنے عوام کو تسلی دیتے رہتے ہیں کہ صحیح قرآن **امام غائب** کے ساتھ آئے گا۔ گویا اس وقت پوری دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے سارے قرآن غلط اور ناقابل عمل ہیں۔

تنقید

اب سوال یہ ہے کہ اگر صحابۂ کرام کا جمع کردہ مصحف غلط اور تحریف شدہ تھا تو شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے زمانۂ خلافت میں صحیح قرآن کیوں نہیں پیش کیا۔ انھوں نے تو اسی قرآن کو صحیح مانا۔ اسی کی تلاوت اور اسی پر عمل کیا۔ ان کے دور خلافت میں پوری دنیاے اسلام کے اندر وہی مصحف پڑھا، لکھا، سنا سنایا جاتا۔ اسی پر اعتماد اور اس پر عمل ہوتا۔ حضرت شیر خدا نے کبھی بھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عثمان ذوالنورین، دونوں حضرات کی برملا تائید کی۔ ان سے مروی حدیث گزر چکی:

أَعْظَمُ النَّاسِ فِي الْمَصَاحِفِ أَجْرًا أَبُو بَكْرٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَى أَبِي بَكْرٍ هُوَ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ كِتَابَ اللّٰهِ.[1]

ا: رواہ ابن ابی داؤد وغیرہ بسند حسن عن عبد خیر عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصاحف میں سب سے بڑا اجر حضرت ابوبکر کا ہے۔ ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو وہ کتاب اللہ کے سب سے پہلے جامع ہیں۔

اور فرماتے ہیں:

لَا تَقُولُوا فِي عُثْمَانَ إِلَّا خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا فَعَلَ الَّذِي فَعَلَ فِي الْمَصَاحِفِ إِلَّا عَنْ مَلَأٍ مِنَّا.[1]

حضرت عثمان کے بارے میں خیر کے سوا نہ بولو، کیوں کہ انھوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا ہماری ایک جماعت کے اتفاق اور مشورے سے کیا۔

(۱) اب یہ **شیعان علی** ہی بتائیں کہ جب حضرت شیر خدا نے بھی کوئی دوسرا قرآن نہ پیش کیا، بلکہ مصحف عثمانی ہی کو صحیح و درست بتایا تو یہ (لوگ) ان کو کس **لقب** سے یاد کریں گے۔

(۲) روافض کا یہ عقیدہ خود اہل بیت کرام کے خلاف ہے۔ روایات شیعہ ہی سے ثابت ہے کہ تمام ائمۂ اہل بیت اسی قرآن کی قراءت فرماتے۔ اسی سے استدلال، اسی سے استشہاد، اسی کی تفسیر، اور اسی پر عمل کرتے۔ امام حسن عسکری کی طرف منسوب تفسیر اسی قرآن کی ہے۔ شیعہ اسے اپنے بچوں، خادموں، گھر والوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور نماز میں اسی کی قراءت کرتے، کراتے ہیں۔ اسی لیے تو ان کے شیخ **ابن بابویہ** نے اپنی کتاب عقائد میں اس عقیدۂ تحریف کا انکار کر دیا، اور اس سے بیزاری ظاہر کی۔

(۳) ذرا غور کریں کہ اس قرآن کی تحریف کیوں کر ہو سکے گی، جسے ابتدائے نزول سے زمانۂ تدوین تک بچے، بوڑھے، جوان، سب پڑھتے پڑھاتے، سیکھتے، سکھاتے، حفظ کرتے اور حفظ کراتے رہے ہوں۔ ہزار ہا ہزار حفاظ بھی پیدا ہو گئے ہوں۔ ان میں اہل بیت کرام بھی ہیں۔ شیعان علی بھی اور محبان اہل بیت بھی۔ کیا سب کے سب اپنی

۱: رواہ ابن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ عن علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

بصارت وبصیرت اور اسلامی ضمیروں کو کچل کر قرآن کے معاملے میں اتنے بزدل، نرم اور سہل بن جائیں گے کہ حفظ اور علم ہوتے ہوئے بھی تحریف شدہ قرآن قبول کرلیں گے؟ ایک ایسا قرآن جس کی ہزاروں غیر منسوخ آیات حذف کردی گئی ہوں، اور کچھ کا کچھ بنادیا گیا ہو؟ جب کہ دین کے معاملہ میں ان کے تصلُّب اور حق گوئی کی جراءتِ بے باک کا بے مثال نمونہ، اور شان دار ریکارڈ یہ تھا کہ فاروق اعظم جیسے صاحبِ دبدبہ وحشمت خلیفہ کو برسر منبر معمولی آدمی بھی ٹوک دیا کرتا۔ پھران خلفاے برحق کا بھی عدیم المثال کردار یہ رہا ہے کہ قبول اصلاح سے انھیں کوئی ملال نہ ہوتا۔ بلکہ مسرت وخوشی ہوتی۔ اوراصلاح وتنقید سن کر پکار اٹھتے الحمدللّٰہ الذی جعل فی المسلمین من یُّسَدِّد اعوجاج عمر خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو کردیا جو عمر کی کجی، درست کرتے رہیں۔

کیا یہ کسی سلیم الحواس شخص کے قیاس میں آنے والی بات ہے کہ معمولی لغزش وخطا پر تو صحابہ کی وہ شان دار جسارت اور تحریف قرآن جیسے جرم عظیم پر یہ بزدلی ومداہنت کہ جنگ وحرب اور مقابلہ ومقاتلہ تو کجا چون وچرا بھی نہ کریں، کہیں سے کوئی صداے احتجاج اور آوازۂ اصلاح وتردید بھی بلند نہ ہو؟ والعیاذ باللّٰہ۔

(۴) اسلاف اسلام کے بارے میں منکرین اسلام نے بھی روافض جیسی بے اعتمادی کا اظہار نہ کیا۔ ایسے بے شمار غیر مسلم ہیں جو **قرآن** کو سچی کتاب، اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی احادیث کو قابل تقلید اور معیار صحت پر کامل مانتے ہیں۔ اور برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ صرف مسلمانوں کی خصوصیت ہے کہ ان کے دین کی اَساسی کتابیں نہایت صحیح ومستحکم ہیں، ان کا قرآن بتواتر ہر زمانے میں ایسے عادل ومتقی حضرات کی جماعت کثیرہ سے نقل ہوا جن کا جھوٹ پر اتفاق محال ہے۔ احادیث کی تنقیح کے لیے انھوں نے پانچ لاکھ آدمیوں کے حالات جمع کر رکھے ہیں۔ اور ہر راوی کا حسن وقبح پوری

صفائی سے بیان کر دیا ہے جس کی روشنی میں ہر حدیث کی صحت، حُسن، ضُعف اور وَضع کو بآسانی جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ منکرین اسلام اُسی قرآن کو حق کہتے ہیں جسے روافض **بیاض عثمانی** بتاتے ہیں۔ اور یہ اُن ہی صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث وکتب رجال کو صحیح و مستند مانتے ہیں جنھیں روافض غیر مستند اور بالکل ساقط الاعتبار گردانتے ہیں۔

افسوس کہ منکرین اسلام تو ان ذخائر اسلامی کے محاسن کا اعلان کریں، صحابہ وراویان حدیث کو معیار صحت وعدالت مانیں مگر یہ مدعیانِ اسلام---ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک قریبًا چودہ سو برس کی پوری امت اسلامیہ کو منافق، مداہن اور خارج از اسلام قرار دیں۔ یہ اپنے ہی باطن کا منصفانہ جائزہ لیتے تو سمجھ میں آجاتا کہ خلا اور کہیں نہیں بلکہ یہیں ہے۔

(۵) رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾ (۱)

باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، اتارا ہوا ہے حکمت والے، ستودہ صفات کا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۲)

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن، اور بے شک ہم خود اس کے نگہ بان ہیں۔

وہ قرآن جس کا محافظ و نگہ بان رب العالمین ہو بھلا اس میں کسی تحریف و تبدیل کو راہ مل سکے گی؟ وہ قرآن جو قیامت تک کی پوری دنیا کے لیے ذریعۂ رشد وہدایت بن کر نازل ہوا، اگر وہی مُحرَّف اور ناقابل اعتبار ہوجائے تو معاذ اللہ مقصودِ تنزیل ہی فوت ہوجائے۔ یاللعجب! اگر قرآن کو زمانۂ امام غائب (ڈیڑھ دو ہزار صدیوں) تک ناقابلِ ہدایت وعمل ہی رہنا ہوتا تو پھر نازل ہی کیوں ہوتا؟ یا اگر قرآن کی حفاظت و تبلیغ امام غائب

۱: حٰمٓ سجدہ، س:۴۱، آیت:۴۲، پ:۲۴

۲: حجر، س:۱۵، آیت:۹، پ:۱۴

ہی کا کام ہوتا تو وہ بھی قرآن کے ساتھ ہی تشریف لاتے، تاکہ پوری امت اسلامیہ اپنے منبع ہدایت سے ہم کنار ہوتی اور ضلالت وگمرہی سے مامون رہتی۔

(۶)رب العالمین ارشاد فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ[1]

اے رسول! پہنچادو، جو کچھ اترا تمہیں تمھارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا۔

یہ بتائیں کہ رسول اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے کار تبلیغ کی تکمیل فرمائی یا نہیں؟ اگر ان کی تبلیغ مکمل نہیں ہوئی تو یقیناً دین اسلام ابھی ناقص ہے، روافض بھی اپنے کو دین اسلام کا متبع ضرور بتاتے ہیں تو یہ بھی ایک دین ناقص ہی کے متبع ٹھہرے---اور اگر رسول کریم ﷺ کی تبلیغ پوری ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم امت تک پہنچ چکا۔ اُس وقت کی امت کو بھی اور موجودہ امت کو بھی ورنہ وہ تبلیغ قرآن کیسی جو صرف چند آدمیوں، یا چند برسوں تک محدود ہو----بتائیں کہ اس تبلیغ سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ جب کہ قرآن آج تک اپنی اصلی شکل میں دنیا کے سامنے نہ آیا۔ اور پوری دنیا گمراہی وجہل مرکّب میں مبتلا ایک دوسری کتاب کو قرآن سمجھے عمل پیرا ہے۔

(۷)درحقیقت تحریف قرآن کا عقیدہ صحابہ کرام سے عناد کے نتیجے میں اختیار کیا گیا۔ شیعوں کا مطمح نظر یہ تھا کہ خلفاے ثلثہ (صدیق و فاروق وذوالنورین) اور صحابۂ کرام کے کارناموں کا اعتراف نہ کیا جائے اور ان پر دیگر الزامات کی طرح تحریف قرآن کے بھی پے درپے الزامات عائد کرکے ان کی عظیم اور قد آور شخصیتوں کو مجروح کردیا جائے۔ اسی طرح قرآن سے ثابت شدہ فضائل صحابہ اور اپنے مذہب کے خلاف تمام باتوں کا انکار کردیا جائے---مگر ہوا یہ کہ ان کی عظیم شخصیتوں پر تو کوئی حرف نہ آیا۔ اِن

۱: مائدہ، س:۵، آیت:۶۷، پ:۱۴

کی اپنی ہی خیر نہ رہی۔ منکرین اسلام تک نے ان بزرگوں پر اعتماد، اوران کے ساتھ اپنے حسن عقیدت کا اظہار کیا---اور منکرین قرآن (روافض) پر پوری دنیا میں لعنت ہورہی ہے۔

کچھ عقل مند شیعی علما کو اس صورت حال کا احساس ہوگیا، اس لیے انھوں نے عقیدۂ تحریف کا انکار کردیا۔ اوراس سے اپنی براءت ظاہر کی۔ ابن بابویہ کے بارے میں گزر چکا کہ یہ شیعوں کے عقیدۂ تحریف کا منکر تھا۔ ابوعلی فضل طبرسی شیعی نے اپنی کتاب **مجمع البیان فی تفسیر القرآن** میں اس عقیدے کا بھرپور رد کیا ہے۔ جوان کی خبرگیری کے لیے کافی ہے۔ لکھا ہے:

اماالزيادة فيه: فمجمع على بطلانها. وأما النقصان منه: فقد روى جماعة من أصحابنا، وقوم من حشوية العامة،والصحيح خلافه، وهو الذي نصره المرتضى،واستوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء في جواب مسائل الطرابلسيات، وذكر في مواضع أن العلم بصحة نقل القرآن، كالعلم بالبلدان. والحوادث الكبار، والوقائع العظام، والكتب المشهورة،واشعار العرب المسطورة، فإن العناية اشتدت، والدواعي توفرت على نقله وحراسته، وبلغت إلى حد لم تبلغه فيما ذكرناه، لأن القرآن معجزة النبوة، ومأخذ العلوم الشرعية، والأحكام الدينية، وعلماءالمسلمين قد بلغوا في حفظه وحمايته الغاية، حتى عرفوا كل شيءٍ اختلف فيه من إعرابه، وقراءته، وحروفه، وآياته، فكيف يجوز أن يكون مغيرا أو منقوصا، مع العناية الصادقة، والضبط الشديد. قال أيضا، إن العلم بتفسير القرآن وأبعاضه في صحة

نقله، كالعلم بجملته، وجرى ذلك مجرى ما علم ضرورة من الكتب المصنفة ككتاب سيبويه والمزني، فإن أهل العناية بهذا الشأن يعلمون من تفصيلهما ما يعلمونه من جملتهما، حتى لو أن مُدخلا أدخل في كتاب سيبويه بابا في النحو ليس من الكتاب، لعرف وعلم وميزانه ملحق، وانه ليس من أصل الكتاب، وكذلك القول في كتاب المزني. ومعلوم أن العناية بنقل القرآن وضبطه، اضبط من العناية بضبط كتاب سيبويه ودواوين الشعراء.وذكران من خالف في ذلك من الامامية والحشوية لا يعتد بخلافهم فان الخلاف في ذلك مضاف إلى قوم من اصحاب الحديث نقلوا اخبارا ضعيفة ظنوا صحتها. لا يرجع بمثلها عن المعلوم المقطوع على صحته.[1]

"قرآن میں کچھ اضافہ ہونے کا دعویٰ اجماعی طور پر اور سب کے نزدیک باطل ہے۔ رہا حذف وکمی کا دعویٰ تو یہ ہمارے اصحاب شیعہ اور حشویہ عامہ کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ قرآن میں حذف وکمی بھی نہ ہوئی۔ مرتضی (مشہور ومستند شیعی عالم) نے اسی کی تائید کی ہے۔ اور مسائل طبرسیات کے جواب میں اس پر بھرپور کلام کیا ہے۔ اور متعدّد مقامات پر ذکر کیا ہے کہ نقل قرآن کی صحت اسی طرح یقینی ہے جیسے معروف شہروں (مکہ، مدینہ، بغداد، لندن وغیرہا) کا ثبوت، بڑے بڑے واقعات وحوادث (طوفان نوح وغیرہ) کا ظہور، مشہور کتابوں اور عرب کے تحریر شدہ

1: مجمع البیان فی تفسیر القرآن، از ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی مشہدی معروف بہ طبرسی کبیر م ۵۴۵ھ الفن الخامس فی اشیاء من علوم القرآن۔ ملخصًا، ج:۱، ص:۵، مطبوعہ کارخانۂ کربلائی محمد قلی وکربلائی محمد حسن تہران، ایران

https://alislami.net

شعروں کا وجود یقینی ہے۔ قرآن کے ساتھ اعتنا بہت زیادہ، اس کی نقل و حفاظت کے اسباب فراواں، اور اس حد کو پہنچے ہوئے تھے جہاں تک مذکورہ چیزوں میں نہ تھے۔ اس لیے کہ قرآن نبوت کا معجزہ، اور علوم شرعیہ واحکام دینیہ کا ماخذ ہے مسلمانوں کے علما اس کی حفاظت وصیانت کی آخری حد کو پہنچے، یہاں تک کہ اس کے اعراب، قراءت، حروف، آیات سب کے اختلافات بھی دریافت کیے، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اتنے پر خلوص اہتمام اور ضبط شدید کے باوجود قرآن میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع ہو۔ مرتضی نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کی تفسیر اور اس کے اجزا کے نقل کی صحت بھی اسی طرح یقینی ہے جس طرح مجموعے کی صحت یقینی ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے تصنیف شدہ کتابوں کے بارے میں ضروری طور پر معلوم ہے۔ مثلاً سیبویہ اور مزنی کی کتاب۔ اس فن سے شغف رکھنے والے ان کی تفصیلات بھی اسی طرح جانتے ہیں جیسے مجموعے کے متعلق جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ سیبویہ کی کتاب میں اگر کوئی شخص نحو کا کوئی ایسا باب داخل کردے جو دراصل کتاب کا نہ ہو تو وہ (داخل شدہ باب) پہچان میں آجائے گا۔ اور معلوم ہوجائے گا کہ اس کا وزن الحاقی ہے۔ اصل کتاب کا نہیں۔ یہی گفتگو کتاب المزنی کے متعلق بھی ہوگی۔ جب ان سب کا یہ حال ہے تو قرآن کے نقل وضبط کا اہتمام تو سیبویہ کی کتاب، اور شعرا کے دواوین (شعری مجموعوں) کے ضبط وحفظ سے کہیں زیادہ ہے۔ مرتضی نے یہ بھی ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن کی جمع و تالیف اسی طرح تھی جیسے اب ہے۔ یہ بھی بتایا کہ امامیہ اور حشویہ کے جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ اس اختلاف کا اصل تعلق چند راویانِ حدیث سے ہے جنھوں نے ضعیف حدیثیں، صحیح گمان کرکے نقل کردیں۔ اس طرح کی چیزوں کے باعث یقینی اور قطعی الصحۃ امر (قرآن کا ہر نقص واضافہ سے محفوظ ہونا) سے رجوع نہیں کیا جاسکتا "۔

اس حوالے سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) قرآن میں کسی اضافے کا دعویٰ شیعہ واہل سنت سب کے نزدیک (بالاجماع) باطل ہے۔

(۲) شیعوں کے فرقۂ امامیہ کا مذہب ہے کہ قرآن میں حذف وکمی ہوئی ہے۔

(حشویہ۔ ظاہر نصوص پر عمل کرنے والے محدثین۔ کو بھی اس میں شامل کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ ان کا تعلق صرف ان روایات کی نقل سے ہے جن میں کچھ ایسے کلمات کا ذکر ہے جو قرآن میں نہیں۔ پہلے کسی نے انھیں جزو قرآن بتایا تھا مگر شاذ، خلافِ اجماع، یا قرآن کے دورۂ اخیرہ میں منسوخ ہونے کے باعث وہ قرآن نہ ٹھہرے۔ یا ان کا ثبوت آحاد سے اور غیر قطعی ہے۔ اس لیے ان کی کتابت وقراءت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بہرحال حشویہ ان کلمات کی قرآنیت اور قرآن میں حذف وکمی کے قائل نہیں)۔

(۳) قرآن میں حذف وکمی کا دعوی بھی باطل ہے۔

(۴) نقل قرآن کی صحت دیگر متواتراتِ عالم کی طرح بالکل یقینی ہے۔

(۵) قرآن کی حفاظت اور ضبط وصحت کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے جو اس کی صحت اور حذف واضافہ سے پاک ہونے کی کافی دلیل ہے۔

(۶) قرآن میں کوئی حذف واضافہ یا تبدیلی نہیں، یہی صحیح ہے جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ؎

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مآخذ

۱. قرآن کریم
۲. کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن ۱۳۳۰ھ۔ امام احمد رضا قادری بریلوی ولادت ۱۲۷۲ھ/ وفات ۱۳۴۰ھ
۳. جامع البیان فی تفسیر القرآن، ابوجعفر محمد بن جریر طبری ۲۲۴ھ - ۳۱۰ھ۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۳۱ھ
۴. مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام فخرالدین محمد بن عمر رازی۔ ۵۴۴ھ - ۶۰۶ھ۔ المطبعۃ البہیہ مصر طبع اول ۱۳۵۳ھ
۵. لُباب التاویل فی معانی التنزیل۔ علاء الدین علی بن محمد بغدادی معروف بہ خازن ۶۶۸ھ-۷۴۱ھ مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ ۱۳۷۴ھ
۶. مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی ۷۱۰ھ (برہامش خازن)
۷. الاِکلیل علی مدارک التنزیل۔ مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی، م ۱۳۳۳ھ۔ اکلیل المطابع رسڑا، بلیا، یوپی ۱۳۳۰ھ
۸. الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ۸۴۹ھ- ۹۱۱ھ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۴ھ
۹. روح البیان۔ علامہ اسماعیل حقّی، ۱۱۳۷ھ المطبعۃ العثمانیہ، استنبول، ترکی ۱۹۲۶ء
۱۰. رسالہ تفسیر لقد جاءکم، ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی م ۱۰۱۴ھ۔ مطبوعہ مع اکلیل
۱۱. خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، م

۱۳۶۷ھ
۱۲. تفسیر نعیمی اول، مفتی احمد یار خاں نعیمی، ۱۳۲۴ھ-۱۳۹۱ھ۔ مکتبۃ الحبیب الہ آباد
۱۳. مجمع البیان فی تفسیر القرآن۔ ابو علی فضل بن حسن طبرسی شیعی، ۵۴۵ھ۔ دارالخلافہ طہران
۱۴. الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۷ھ
۱۵. تیسیر الطبع فی اجراء السبع۔ مولانا قاری محمد حسین اشرفی مالیگانوی، رحیمی پریس ممبئی ۱۳۹۱ھ
۱۶. مُسند امام احمد بن حنبل شیبانی، ۱۶۴ھ - ۲۴۱ھ، المطبعۃ الحیدریہ ممبئی ۱۳۰۸ھ
۱۷. صحیح بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، ۱۹۴ھ-۲۵۶ھ، اصح المطابع دہلی
۱۸. صحیح مسلم، ابوالحسین مسلم بن حجاج قُشیری، ۲۰۴ھ - ۲۶۱ھ، اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ
۱۹. جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، ۲۰۹ھ - ۲۷۹ھ مطبع مجتبائی دہلی
۲۰. سنن ابوداؤد، ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، ولادت ۲۰۲ھ - وفات ۲۷۹ھ المطبعۃ التازیہ مصر ۱۳۴۸ھ
۲۱. سنن نسائی (المجتبیٰ) ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، ۲۱۵ھ - ۳۰۳ھ مجتبائی دہلی ۱۳۳۵ھ
۲۲. سنن ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی ۲۰۹ھ - ۲۷۳ھ، مطبع نظامی دہلی ۱۳۴۲ھ
۲۳. مشکل الآثار، امام طحاوی ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی مصری حنفی ۲۳۹ھ - ۳۲۱ھ دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدآباد، طبع اول ۱۳۳۳ھ

۲۴. المستدرک علی الصحیحین، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، ۳۲۱ھ - ۴۰۵ھ، دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۴۱ھ
۲۵. الترغیب والترہیب، زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذِری ۵۸۱ھ - ۶۵۶ھ، مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ مصر ۱۳۹۰ھ
۲۶. مشکاۃ المصابیح، ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، تالیف ۷۳۷ھ، اصح المطابع دہلی
۲۷. کنزالعُمال وسنن الاقوال والافعال، (ترتیب ابوابی لکتب جلال الدین السیوطی، الجامع الصغیر وزوائدہ) علاءالدین علی المتقی بن حُسام الدین ہندی برہان پوری، م ۹۷۵ھ، دائرۃ المعارف، حیدر آباد ۱۳۱۲ھ
۲۸. المنہاج شرح مسلم، ابوزکریا یحییٰ ابن شرف نووی ۶۳۱ھ - ۶۷۶ھ، اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ
۲۹. فتح الباری شرح بخاری، ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی، ۷۷۳ھ - ۸۵۲ھ، المطبعۃ الکبریٰ المیریہ، بولاق، مصر، طبع اول ۱۳۰۱ھ
۳۰. عمدۃ القاری شرح بخاری، بدرالدین محمود بن احمد عینی، ۷۶۲ھ - ۸۵۵ھ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر
۳۱. ارشاد الساری شرح بخاری، شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی م ۹۲۳ھ مطبع نول کشور کانپور ۱۲۸۵ھ
۳۲. مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی، م ۱۰۱۴ھ، اصح المطابع ممبئی
۳۳. اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ - ۱۰۵۲ھ

مطبع تیج کمار لکھنو طبع نہم ۱۹۶۳ء
۳۴. مدارج النبوۃ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ- ۱۰۵۲ھ مطبع نول کشور لکھنو، طبع سوم ۱۹۱۴ء
۳۵. شرح شفا، ملا علی قاری ہروی، م ۱۰۱۴ھ، المطبعۃ العثمانیہ، استنبول، ترکی ۱۳۱۹ھ
۳۶. الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابوعمر یوسف بن عبداللہ معروف بہ ابن عبدالبر قرطبی ۳۶۸ھ-۴۶۳ھ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، طبع دوم ۱۳۳۶ھ
۳۷. الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ابوالفضل احمد بن علی الشہیر بابن حجر العسقلانی ۷۷۳ھ- ۸۵۲ھ مطبع سعادت مصر، طبع اول ۱۳۲۸ھ
۳۸. اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر علی بن محمد جزری، ۵۵۵ھ- ۶۳۰ھ الشعب قاہرہ ۱۳۹۰ھ
۳۹. اکمال فی اسماء الرجال، صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی، تالیف ۷۴۰ھ (مطبوعہ مع مشکوٰۃ)
۴۰. مفتاح السعادہ و مصباح السیادہ فی موضوعات العلوم، احمد بن مصطفیٰ طاش کبری زادہ، م ۹۶۴ھ، دارالکتب الحدیثۃ قاہرہ، ۱۹۶۸ء مطبعۃ الاستقلال، قاہرہ
۴۱. الدر المختار فی شرح تنویر الابصار، علاء الدین محمد بن علی حصکفی، ۱۰۲۵ھ- ۱۰۸۸ھ نولکشور لاہور ۱۳۰۵ھ
۴۲. العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، ج ۲، امام احمد رضا قادری بریلوی، کتب خانہ سمنانی میرٹھ ۱۳۸۷ھ
۴۳. جمع القرآن وبِمَ عَزَوْہ لعثمان (۱۳۲۲ھ) امام احمد رضا بریلوی، انجمن طلبۂ فیض الرسول براؤں شریف ۱۳۹۸ھ

۴۴. مسلم الثبوت، علامہ محب اللہ بن عبدالشکور بہاری م ۱۱۱۹ھ، مطبع مجیدی کان پور
۴۵. فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی ۱۱۴۴ھ- ۱۲۲۵ھ نولکشور لکھنو ۱۲۹۵ھ
۴۶. نورالانوار فی شرح المنار شیخ احمد معروف بہ ملا جیون علیہ الرحمۃ، ۱۰۴۸ھ- ۱۱۳۰ھ مطبع مجیدی کان پور ۱۳۷۳ھ
۴۷. تحفۂ اثناعشریہ (فارسی) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ، مطبع حسنی دہلی ۱۲۷۱ھ
۴۸. مختصر تحفۂ اثناعشریہ (عربی ترجمہ) غلام محمد بن محی الدین اسلمی، مکتبہ ایشیق، استنبول ترکی ۱۳۹۶ھ
۴۹. شرح کافیہ، شیخ رضی، محمد بن حسن استرآبادی، مطبع نولکشور لکھنو
۵۰. دائرۃ معارف القرن العشرین، محمد فرید وجدی، دار لمعرفۃ بیروت، لبنان، طبع سوم ۱۹۷۱ء
۵۱. شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی م ۹۱۱ھ، مطبوعہ مصر

○○○